ماہنامہ

کراچی

آنکھ مچولی

مئی ۱۹۹۶ء

ٹھنڈا ٹھنڈا ہرا ہرا
QUIC
کوئس
آئسکریم سیرپ
کوئس
آئسکریم سیرپ
بچے کہیں بڑے کہیں۔ اور، اور، اور

ظُلم اور دہشت کے خلاف ایک احتجاج

آنکھ مچولی کا

خصوصی شمارہ

مظلوم بچے نمبر

ایک خصوصی دستاویز

جون ۱۹۹۶ء میں منظرِ عام پر آ رہا ہے

وہ پھول سے کومل بچے
جو گلی کوچوں میں بے گناہ قتل کر دیے گئے
اسکول جانے والے بچے
جو اسکول سے لوٹ کر گھر نہیں آئے
تاوان وصول کرنے کے لیے اغوا کیے جانے والے بچے
جن کی زندگی کا چراغ گُل ہو گیا
اور وہ تمام بچے
جو کسی نہ کسی ظلم اور دہشت کا شکار ہو گئے
ان بچوں کے بارے میں آنکھ مچولی میں
جیتے جاگتے فیچر، جیتی جاگتی تصویریں، الم ناک کہانیاں، اداس کر دینے والی نظمیں، مظلوم والدین کے انٹرویوز

آپ بھی لکھیے

اگر آپ کے شہر یا محلے میں ایسے کسی بچے کا اغوا یا قتل ہوا ہو تو معلومات جمع کیجئے اور مضمون یا فیچر تحریر کیجئے۔

یہ ایک قومی خدمت بھی ہو گی اور تحریر کا معاوضہ بھی ملے گا!

مضامین بھیجنے کا پتہ: مدیرِ اعزازی ماہ نامہ آنکھ مچولی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

مُسلمان کے مُسلمان پر حقوق

نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

"ایک مُسلمان کے دوسرے مُسلمان پر چھ حقوق ہیں"۔ پوچھا گیا یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟۔ آپؐ نے فرمایا "جب تم مُسلمان بھائی سے ملو تو اُس کو سلام کرو، جب وہ دعوت دینے کے لئے مدعو کرے تو اُس کی دعوت قبول کرو، جب وہ تم سے نیک مشورے کا طالب ہو تو اُس کی خیر خواہی کرو اور نیک مشورہ دو، جب اُس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اُس کے جواب میں یرحمک اللہ کہو، جب وہ بیمار پڑ جائے تو اُس کی عیادت کرو اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ"۔

(مُسلم)

عطیہ اشتہار

حاجی / فتح محمّد میموریل آرگنائزیشن

۷، حسن لشکری اسٹریٹ، بادشاہی روڈ کراچی

۸۷، بلاک نمبر ۷، خانیوال

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

ذی الحجہ/محرم ۱۴۱۷ھ — مئی ۱۹۹۶ء

MEMBER APNS

[illegible]

مدیر اعلیٰ: ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ: تجمل حسین چشتی

مدیر اعزازی: ڈاکٹر طاہر مسعود

مجلس ادارت: محمد عمر احمد خان

منیجر اشتہارات: عمران احمد

تزئین: دانش اختر

مصور: سلمان خان

فون نمبر: ۴۹۴۲۸۵۷ ۴۹۴۸۲۱۰

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ماہنامہ آنکھ مچولی گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضیاء الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۷-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

قیمت: ۱۸ روپے
۷ درہم ۷ ریال

ناشر: ظفر محمود شیخ - طابع: زاھد علی مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس ایم اے جناح روڈ کراچی

تحفہ وہ جو یاد رہے

تحفہ دینا اظہارِ الفت بھی ہے، باعثِ محبّت بھی اور نبیؐ کی سُنّت بھی

تحفہ ہر

آپ کے خلوص کا اظہار اور آپ کے ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے

اپنے دوستوں اور پیاروں کو سالگرہ کا تحفہ دیجئے۔ مگر ایسا جو سال بھر یاد رہے

آنکھ مچولی ایسا ہی تحفہ ہے

آپ ہمیں اپنے دوست کا نام، مکمل پتہ، سالگرہ کا دن اور 280 روپے کا منی آرڈر روانہ کیجئے۔ ہم ایک خوب صورت برتھ ڈے کارڈ اور سال بھر کے لیے آنکھ مچولی آپ کے دوست کو بھجواتے رہیں گے۔ ماہ بہ ماہ تازہ شمارہ آپ کے دوست کو آپ کی محبتوں کی یاد دلاتا رہے گا۔

یاد رہے کہ آنکھ مچولی کے دس عام اور دو خاص شماروں کی سالانہ قیمت معہ رجسٹرڈ ڈاک خرچ 444 روپے بنتی ہے۔ مگر خصوصی تحفہ اسکیم کے لیے صرف 280 روپے

اس رعایت سے آج ہی فائدہ اٹھائیے

منی آرڈر فارم پر نام اور پتہ مفصل لکھئے!
مشرقِ وسطیٰ کے لیے 650 روپے
امریکہ اور یورپ کے لیے 830 روپے

سستا اور انوکھا سالگرہ کا تحفہ

منی آرڈر اس پتے پر روانہ کیجئے

سرکولیشن منیجر: ماہنامہ آنکھ مچولی اے پی آئی بی کالونی کراچی

حُسنِ ترتیب

سنہرے حروف	محمد سلیم امام	۸
ماہ رواں کی پہلی بات	مدیر آنکھ مچولی	۹
حمد باری تعالیٰ	آصف وقار آصف	۱۰
نعتِ رسول ﷺ	ضیغم حمیدی	۱۱
امتِ وسط کون ہے	محمد طارق انصاری	۱۲
بلی والے صحابیؓ	مختار احمد	۱۴
نومی کا دوست	محمد عادل منہاج	۲۰
نتیجہ کا دن (نظم)	افشاں بشیر	۲۸
مہمانوں سے جان چھڑانے کے...	نائلہ صدیقی	۳۰
میل محبت سب بڑھائیں (نظم)	منور احمد صدیقی	۳۲
خوفناک کمرہ	سیدہ صدف عرفان	۳۴
شکاری پودے	عامر اعجاز	۳۸
حج (نظم)	تنویر پھول	۴۱
غلافِ کعبہ	علی جبران	۴۲
چچا میاں کی بقر عید	نورین طلعت عروب	۴۴
ایک رات کا قصہ (نظم)	شکیل الدین ملک	۴۷
بھوت پکڑا گیا	محمد مجاہد منہاس	۴۸
شاہکارِ قدرت	شبنم عمر	۵۳
فقیر یا لوجی	الطاف حسین	۵۷
ایک آوارہ لڑکا	امان اللہ نیر شوکت	۶۱
ڈرپوک	محمد فاروق منیر	۶۲
بُخارا	الطاف حسین	۶۵
دُنیا کا سب سے بڑا جانور	نگہت آرا چوہان	۷۴
دوا والا	فرحات خان	۷۷
بنام آنکھ مچولی	قارئین کے خطوط	۸۲
بجلی کی کہانی	محمد انعام	۸۶
ہمارے عُضلات	علی حمزہ	۹۰
جزیرے کا راز	کاشف عزیز	۹۳
وقت کی کہانی	نگہت آرا چوہان	۹۸
بیگ صاحب کی شہزادی	نثار الحق اسدی	۱۰۰
اکبر الٰہ آبادی کی شاعری		۱۰۳
انسان کا دشمن نمبر ایک	عالیہ صلاح الدین	۱۰۷

سنہرے حروف

بعض اوقات چھوٹی عمر والے کو اس کے علم اور لیاقت کی وجہ سے فضیلت کی جگہ ملتی ہے تو لوگ چہ مگوئیاں کرنے لگتے ہیں۔ یحیٰ بن اکثم کو تقریباً "۲۰ سال کی عمر میں قاضی کا عہدہ دیا گیا تو ایک حاسد شخص نے لوگوں کے سامنے بڑی نخوت کے ساتھ ان کی عمر پوچھی دوسروں پر یہ جتلانے کے لئے کہ اتنی چھوٹی عمر والا اس جگہ کے لائق نہیں لیکن لائق آدمی کی لیاقت چُھپی نہیں رہ سکتی۔ یحیٰ بن اکثم نے بڑی متانت سے جواب دیا : "میری عمر حضرت بن اسیدؓ کی عُمر سے بڑی ہے جب نبی کریم صلی علیہ وسلم نے انہیں مکے کا والی بنایا تھا۔ اسی طرح میری عمر معاذ بن جبلؓ کی عُمر سے بڑی ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور میری عُمر حضرت کعبؓ بن سُور کی عُمر سے بھی بڑی ہے جب کہ حضرت عُمر فاروقؓ نے انہیں بصرے کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔" یحیٰ بن اکثم کی اس بات سے وہ شخص کھسیانا ہو کر خاموش ہو گیا جبکہ وہاں موجود لوگ یحیٰ بن اکثم کے اس پُروقار جواب سے مطمئن ہو گئے۔ علم اور لیاقت ہی کی وجہ سے انسان اونچا مقام حاصل کرتا ہے!!

محمد سلیم امام، متحدہ عرب امارات

ماہِ رواں کی پہلی بات

مدیر آنکھ مچولی

اچھا اِنسان وہ ہوتا ہے جسے دوسروں کی تکالیف کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا اِنسان نہ صرف دوسروں کی تکلیف محسوس کرتا ہے بلکہ ان کے کام بھی آتا ہے..... دوسروں کی تکالیف کو وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں جو خود بھی کبھی کسی تکلیف میں وقت گزار چکے ہوں۔ ایک بیمار آدمی کی تکلیف کا احساس اس شخص کو بہت زیادہ ہوتا ہے جو کبھی خود اس بیماری میں مُبتلا رہ چکا ہو۔ جو لوگ دوسروں کی تکالیف کو محسوس کرتے ہیں اور انہیں دور کرنے میں لگے رہتے ہیں انہیں سب پسند کرتے ہیں۔

اچھا انسان ہمیشہ اچھی ہی بات کرتا ہے۔ وہ کبھی کسی کا دِل نہیں دُکھاتا کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ دِل آزاری کرنا یا دِل دُکھانا اِنسان کے بدترین عیبوں میں سے ہے۔ کچھ لوگ اپنی طنزیہ باتوں سے دوسروں کے دِلوں کو ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ ان کی عادت اتنی پُختہ ہوجاتی ہے کہ بعض اوقات تو انہیں یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ انہوں نے کسی کا دِل دُکھایا ہے۔ کسی سے بھی کوئی بات کرنی ہو تو یہ ضرور سوچ لینا چاہئے کہ آپ کی بات سے آپ کے مخاطب کو کوئی رنج نہ ہو۔

اچھے انسان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ وعدے کا پابند ہوتا ہے۔ وہ جس سے کوئی وعدہ کرتا ہے، ہر قیمت پر اسے پورا کرتا ہے۔ وعدے کی پابندی فرض کی گئی ہے۔ کسی سے وعدہ کرتے وقت اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ آیا ہم اسے پورا بھی کرسکتے ہیں یا نہیں۔ وعدے کی پابندی انسان کی وہ خصوصیت ہے جو بہت جلد ظاہر ہوجاتی ہے اور دوسروں پر بھی اچھا اثر ڈالتی ہے۔ وعدہ پورا کرنے والے کی قدر و منزلت بڑھتی ہے۔ لوگ اس پر اعتبار کرتے ہیں جبکہ وعدہ پورا نہ کرنے والا اِنسان دوسروں کی نگاہوں میں نیچا ہوجاتا ہے، اس کی ساکھ گِر جاتی ہے اور لوگ اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کرتے۔ ہم سب کو اچھا انسان بننا چاہیے !!

حمدِ باری تعالیٰ

آصف وقار آصف

خُدا ہر سمت ہی ظاہر ہے دیکھو
وہی ہر چیز پر قادر ہے دیکھو

نِکل کر ڈوبنا شمس و قمر کا
اسی کی ذات کا مظہر ہے دیکھو

وہی ہے سب سے برتر اور بالا
نہیں اس کا کوئی ہمسر ہے دیکھو

ہر اک دل کے نہاں خانوں میں ہے وہ
بساہر نفس کے اندر ہے دیکھو

وہ عزّت دے یا ذلّت جس کو چاہے
اسی کے ہاتھ خیر و شر ہے دیکھو

زمین و آسمان اس کے ہیں آصف
وہی آقائے بحر و بر ہے دیکھو

نعت رسولؐ

ضیغم حمیدی

سراپا ہے وہ روشنی' اللہ اللہ
حضور ' آپؐ کی زندگی' اللہ اللہ

جو قرآں میں ہے خُلق وہ آپؐ کا ہے
طبیعت میں وہ سادگی' اللہ اللہ

شرافت' محبت' دیانت' شجاعت
حضور' آپؐ کی راستی' اللہ اللہ

غریبوں کے حامی' یتیموں کے والی
سخاوت کہاں آپؐ سی' اللہ اللہ

کرے کیوں نہ دشمن بھی تعریف آخر
حضور' آپ کی دوستی اللہ اللہ

دل و جاں سے آپؐ ہی کا ہے ضیغم
نبی آپؐ ہیں آخری' اللہ اللہ

اُمّتِ وسط کون ہے؟

محمد طارق انصاری

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُمّتِ وسط کہہ کر بڑی عزّت بخشی ہے۔ مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ امتِ وسط کا مطلب ایسی امت ہے جو غلط سلط راستوں پر بھٹکنے کے بجائے سیدھے راستے پر قائم ہو اور جس میں انصاف ہو۔ انصاف کے معنی برابری کے ہیں۔ دکان دار جب ترازو میں کوئی چیز تولتا ہے اور بالکل ٹھیک تولتا ہے تو ترازو کے پلڑے بالکل برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ زیادہ نہ کم یہی انصاف کا راستہ ہے۔ پیارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰؐ نے فرمایا : "ہر کام میں میانہ روی اختیار کرو اس لئے کہ یہی سب سے بہتر ہے۔" قرآن مجید میں بھی آیا ہے :

میانہ روی ہر معاملے میں سب کو بھاتی ہے۔ آپ کنجوس ہی کو دیکھ لیجئے، لوگ اسے پسند نہیں کرتے اور فضول خرچ کو بھی اچھا نہیں کہتے مگر ان دونوں کے درمیان سخی (سخاوت کرنے والا) کو سب پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح بُزدلی اور غصّہ دونوں ہی ناپسندیدہ ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان شجاعت و بہادری سب کو اچھی لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُمّتِ وسط کا لقب دے کر جو عزّت بخشی ہے وہ اسی لئے ہے کہ ہم میانہ روی کی چال چلیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ زیادہ تیز چلا جائے یا زیادہ آہستہ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی ایسی چال چلے جس میں نہ تو غرور اور گھمنڈ ہو اور نہ ایسی مسکینی اختیار کرے جو صرف نمائش اور دکھاوے کی ہو۔

دولت، طاقت، علم اور خوبصورتی ایسی چیزیں ہیں جو انسان میں تکبّر پیدا کردیتی ہیں اور ان میں سے ہر شے کا غرور اپنا ایک رنگ پیدا کرلیتا ہے اور وہ رنگ آدمی کی چال میں نظر آنے لگتا ہے اور آواز سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت لقمان نے ایک بار اپنے بیٹے کو نصیحت کی تو کہا : "بیٹا! اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو ذرا پست رکھو اس لئے کہ سب آوازوں سے بُری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا جو سر جُھکائے ہوئے مسکینوں کی طرح چل رہا تھا۔ حضرت عمرؓ اس کے پاس پہنچے اور ڈانٹ کر کہا۔

"سر اٹھا کر چلو اسلام مریض نہیں ہے۔"

اسی طرح ایک دوسرے شخص کو کمزور چال چلتے دیکھا تو فرمایا : "ظالم! ہمارے دین کو کیوں کمزور کرتا ہے؟"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ تو آدمی مسکینوں کی سی شکل و صورت اختیار کرے اور نہ بیماروں کی طرح پھونک پھونک کر قدم رکھے۔ حضرت عمرؓ کی بات کا مطلب ہی یہ ہے کہ مومن ایسی چال چلے جس کا اسلام مطالبہ کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار ایک ایسے صاحب کو دیکھا کہ بہت پریشان بنے چل رہے ہیں۔ پوچھا۔ "انہیں کیا ہوگیا ہے؟" کسی نے بتایا "یہ قرآن پڑھنے پڑھانے والے لوگوں میں سے ہیں۔" اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا : "حضرت عمرؓ تو بہت زیادہ قرآن مجید پڑھنے والوں میں سے تھے مگر ان کا یہ حال تھا کہ جب چلتے تو زور سے چلتے تھے اور جب بولتے تو قوت کے ساتھ بولتے تھے۔"

ضروری نہیں کہ گلا پھاڑ کر بات کی جائے اور کرخت لہجہ بنا کر دوسروں کو رُسوا کیا جائے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ درمیانی راستہ اختیار کیا جائے زندگی میں ہمیشہ اعتدال یعنی میانہ روی کی چال چلیں جو اللہ کو بھی پسند ہے اور اس کے رسولؐ کو بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہر معاملے میں میانہ روی کی توفیق عطا فرمائے آمین!

بلّی والے صحابیؓ

مختار احمد

سب سے زیادہ احادیث مروی کرنے والے پیارے نبیؐ کے محبوب ترین صحابیؓ

حضرت ابوھریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین صحابیوں میں سے تھے۔ آپؓ رواہ حدیث کے سرتاج تھے۔ آپ نے سب سے زیادہ حدیثیں بلا واسطہ رسولؐ اللہ سے روایت کیں۔ اسی امتیازی وصف کی بنا پر تمام صحابہؓ آپ کی نہایت عزّت و تکریم کرتے تھے۔

خاندانی اعتبار سے آپؓ یمن کے قبیلے "قحطان" کی شاخ "ازد" کے چشم و چراغ تھے۔ والد کا نام "صحر" اور والدہ کا نام "میمونہ" (بعض روایتوں کے مطابق "سمیّہ") تھا۔

حضرت ابوھریرہؓ کی ولادت بعثتِ نبویؐ سے چھ سال قبل ۶۰۴ ـ ۶۰۳ کو یمن میں ہوئی۔ والدین نے نام "عبدالشمس" رکھا تھا لیکن اسلام سے مشرف ہونے کے بعد رسولؐ اللہ نے آپ کا نام "عبدالرحمٰن" رکھا۔ لیکن آپؓ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہوئے یعنی ابوھریرہؓ اس کی وجہ یہ تھی

کہ آپؓ بچپن میں ایک بلی سے کھیلا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کی والدہ نے آپ کو "ابو ھریرہؓ یعنی "بلی والا" کہا پھر یہی نام آپ کا مشہور ہوا۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام "عبدالرحمٰن" تجویز فرمایا تھا۔ لیکن اکثر اوقات ابو ھریرہؓ کہہ کر ہی مخاطب فرمایا کرتے تھے۔

قبولِ اسلام :

یمن کے قبیلے "دوس" کے سردار طفیل بن عمر ایک مرتبہ مکہ آئے تو ان کی ملاقات نبی کریمؐ سے ہوئی۔ آپؐ کی تعلیمات سے مُتاثر ہو کر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ یمن واپس جا کر انہوں نے نبی کریمؐ کی ہدایات کے مطابق اسلام کی دعوت لوگوں تک پہنچانا شروع کی۔ کئی افراد ان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔ ان میں سے ایک "ابو ھریرہؓ" بھی تھے۔ قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر ۱۹ سال تھی۔

قبولِ اسلام کے بعد آٹھ سال تک حضرت ابو ھریرہؓ یمن میں ہی رہے۔ ۷ ھ کے زمانے میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کی مُہم پر تشریف لے گئے تھے، حضرت ابو ھریرہؓ اپنی والدہ کو لے کر مدینۃ النبی آگئے۔ یمن سے مدینہ تک کا سفر بہت تکلیف دہ گزرا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "خیبر" سے مدینہ پہنچے تو حضرت ابو ھریرہؓ نے رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر رہنا ہی اپنا سب کچھ بنالیا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ میں سب سے زیادہ حدیثیں حضرت ابو ھریرہؓ ہی سے مروی ہیں۔ حضرت ابو ھریرہؓ نے ۵۳۷۴ حدیثیں براہ راست رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سُنیں اور یاد کیں۔

اکثر لوگ آپ سے کثرت روایت کی وجہ دریافت کرنا چاہتے تو آپ جواب میں فرماتے کہ جب لوگ دنیا کے معاملات میں مشغول ہوجاتے تب بھی میں بارگاہ رسالتؐ میں حاضر رہ کر ارشادات مُبارکہ سُنتا رہتا اور یاد کرتا رہتا۔ آپ فرماتے :

"رات کے ایک پہر میں حدیثیں یاد کرتا ہوں۔"

حضرت ابو ھریرہؓ اصحابِؓ صفّہ میں سے تھے۔ یہ وہ نادار صحابہؓ تھے جنہیں دنیا سے کوئی اُلفت نہ تھی، بال بچے نہ تھے اور نہ ہی کوئی زمین یا جائیداد موجود تھی! حضرت ابو ھریرہؓ تو اپنا گھر بار یمن میں چھوڑ آئے تھے۔ چنانچہ دن رات سرورِ کونینؐ کی پُروقار مجلس میں رہتے اور جو ارشادِ مُبارکہ زبانِ اقدس سے ادا ہوتا، فوراً سینے میں محفوظ کرلیتے۔ ان صحابہؓ کا کوئی ذریعۂ معاش

نہ تھا۔ اس لئے کہ اکثر مالدار صحابہؓ ان کو کھانا کِھلاتے۔ اکثر یہ بھی نصیب نہ ہوتا اور کئی دن بھوکے رہتے۔ نماز کے دوران اچانک بھوک کی شدّت سے نڈھال ہوکر گر پڑے۔ حضرت ابوھریرہؓ کی بھی یہی حالت رہتی تھی۔ نبی کریمؐ اکثر مرتبہ ان کو کھانا کھلاتے۔ ہمیشہ پیٹ پر پتّھر بندھے رہتے تھے۔

اس شدید ناداری اور تنگدستی کے باوجود انہوں نے پیٹ کی خاطر کاشانۂ رسولؐ سے جُدائی کو قبول نہ کیا اور رسول اللہؐ کی وفات تک ان کے ساتھی رہے اور جو ارشاد زُبانِ مُبارک سے نِکلتا اسے ذہن میں محفوظ کرلیتے۔

نبی کریمؐ کی وفات کے بعد بھی ان کا یہ فقر قائم رہا۔ اگر کوئی پُرتکلّف کھانا حاضر کرتا تو یہ کہہ کر انکار فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

حضرت ابوھریرہؓ نے کئی سال ناداری کی حالت میں گزارے۔ تب جاکر کہیں راحت کا سایہ نصیب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مال اور رزق میں برکت و وسعت عطا فرمائی۔ آپؓ اپنی ناداری کے ایّام کو یاد کرکے روتے اور آسودہ حالی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابوھریرہؓ کو "بحرین" کا گورنر مقرر فرمایا۔ بعدہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں انہیں مدینہ منورہ کا والی مقرر فرمایا۔ گورنری اور ولایت کے ان ادوار میں بھی آپ کا فقر قائم رہا۔ تنخواہ دوسرے اُمرا کی نسبت بہت کم لیتے اتنی کہ گزر بسر ہوسکے۔ تنخواہ اکثر غُربا میں بانٹتے تھے۔ سفر کرتے تو سرکاری سواری حاصل کرنے کی بجائے اپنے ہی گدھے پر سوار ہوتے۔ جس پر پالان کی بجائے اپنا کمبل ڈال دیتے۔

روزمرہ خرچ پورا کرنے کے لئے محنت مزدوری کرتے۔ تنخواہ کو ذاتی استعمال میں لانے سے حتی الوسع گریز کرتے۔ آپؓ جب لکڑیاں اُٹھائے مدینے کی گلیوں میں نکلتے تو لوگ جلدی سے اِدھر اُدھر ہوکر راستہ چھوڑتے کہ امیرِمدینہ آرہا ہے۔

آخر عمر میں جب مرض الموت میں مُبتلا ہوئے تو مروان بن حکم (والی مدینہ) آپؓ کی عیادت کو آئے اور آپ کے حق میں دعائے شفا کی۔ آپؓ نے فوراً فرمایا :

"اے اللہ! اب تو تجھ سے ملنے کی آرزو ہے، مجھے اپنے حضور بُلا لیجئے۔"

کئی روز علیل رہنے کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں ۵۹ ھ بمطابق ۶۸۰ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جلیل القدر صحابی اس دارِفانی سے رخصت ہوا۔

خانہ کعبہ

- ○ خانہ کعبہ پانچ پہاڑوں کے پتھر سے تعمیر کیا گیا۔
- ○ خانہ کعبہ کی دیوار کا رنگ بھورا ہے۔
- ○ خانہ کعبہ کی چھت میں اسی قندیلیں ہیں۔
- ○ خانہ کعبہ کرہ ارض کا مرکز تصور کیا جاتا ہے

حضرت ابوھریرہؓ کی زبان مُبارک ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتی۔ آپؓ ایک دن رات میں بارہ ہزار تسبیحات کا معمول رکھتے تھے۔ اپنے اہل خانہ کو اس قدر دینی تربیت دے رکھی تھی کہ سب راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے تھے۔

آپؓ اپنی تنگدستی کے زمانے میں بھی نہایت سخی تھے۔ مروان بن حکم نے جو آپ کے استعفیٰ دینے کے بعد والی مدینہ مقرر ہوئے تھے، ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں سو دینار بھیجے۔ آپؓ نے اسی وقت انہیں غُربا پر خرچ کردیا۔ دوسرے دن مروان نے کہلا بھیجا کہ ''وہ رقم کسی اور کے ہاں بھیجی جانی تھی، غلطی سے آپ کے پاس پہنچ گئی، مہربانی کر کے وہ رقم واپس کردیں۔''

آپؓ نے جواباً کہلا بھیجا کہ ''میں تو انہیں خرچ کرچکا، جب میرا وظیفہ دینے لگو تو اس میں سے کاٹ لو۔'' مروان دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ابوھریرہؓ کہیں مال جمع کر کے تو نہیں رکھتے۔

حضرت ابوھریرہؓ کو بچّوں سے نہایت پیار تھا۔ بچّے آپ سے بہت مانوس تھے اہلِ محلّہ کے بچّے کھیل رہے ہوتے تو اچانک ڈراؤنی صورت بنا کر آجاتے، بچّے پہلے تو ڈر کے مارے بھاگ جاتے لیکن جب معلوم ہوتا کہ ''ابوھریرہؓ چچا'' ہیں تو سب ہنس پڑتے کبھی کبھی بچّوں سے کوئی کھیل کھیل بھی لیتے تھے۔

اہلِ بیتِ رسولؐ کے ساتھ نہایت عقیدت اور والہانہ محبّت تھی۔ جب حضرت امام حسنؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوھریرہؓ مسجد نبویؐ میں بیٹھے روتے رہے اور لوگوں سے کہتے جاتے کہ ''لوگو! آج خوب رو لو کہ رسولؐ اللہ کا حبیب دنیا سے اُٹھ گیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپؓ سے محبّت تھی۔ آپؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا :

''ابوھریرہؓ علم کا ظرف (برتن) ہیں ۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں، حضرت ابوھریرہؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے :

''ابوھریرہؓ ہم سب (صحابہ کرامؓ) میں سے زیادہ رسول اللہ کے ساتھ رہنے والے اور سب سے زیادہ حدیثیں یاد کرنے والے ہیں۔''

''رضی اللہ تعالیٰ عنہ''

قدرت کا مچھلی گھر

نعمان احمد خان

چمگاڈر رے : یہ مچھلی بالکل سمندر کی تہہ میں رہتی ہے اس کی چپٹی ساخت کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔

بحرالکاہل کی اسپاڈ فش : یہ مچھلی بڑے بڑے غولوں کی شکل میں سفر کرتی ہے اور کبھی غول سے الگ نہیں ہوتی۔

ہاف مون : اس مچھلی کو یہ نام اس کی خوبصورت دُم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو آدھے چاند سے مشابہ ہے۔

بلیک اسمتھ : اس کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کی سُنہری جلد پر سیاہ دھبے پڑے ہوئے ہیں۔

کیلپ باس : یہ مچھلی مچھیروں کو بہت پسند ہے یہ عموماً" ایک خاص قسم کی سمندری جھاڑیوں میں رہتی ہے چنانچہ اسے آسانی سے پکڑلیا جاتا ہے۔"

گیری بالڈی : زرد رنگ کی اس مچھلی کا شکار قانوناً" ممنوع کردیا گیا ہے۔ ویسے بھی اس خوبصورت مچھلی کا شکار کرنا بے رحمی ہوگی۔

گرین ٹرٹل : یہ کچھوا کبھی ہوٹلوں کے مینو میں سرفہرست ہوا کرتا تھا مگر اب اس کے شکار پر پابندی لگادی گئی ہے کیوں کہ اس کی نسل ناپید ہونے کا خطرہ پیدا ہو چلا تھا۔

گروپر : کالی دھاری اور کالے پٹوں والی یہ مچھلی بحرالکاہل میں پائی جاتی ہے اور بڑی ماہر شکاری ہے یہ شیل فش کا شکار کرتی ہے۔

شیفیڈ : یہ ایک نر مچھلی ہے اس کی مادہ مکمل طور پر سُرخ رنگ کی ہوتی ہے جبکہ نر کا سر اور دُم سیاہی مائل ہوتی ہے۔

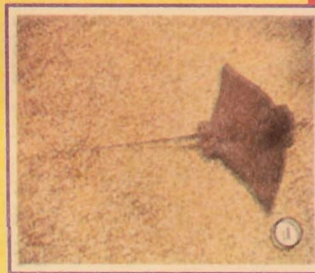

چمگادڑے

اسپاڈ فش

ہاف مون

بلیک اسمتھ

کیلپ باس

گیری بالڈی

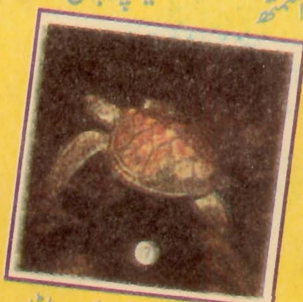

گرین ٹرٹل

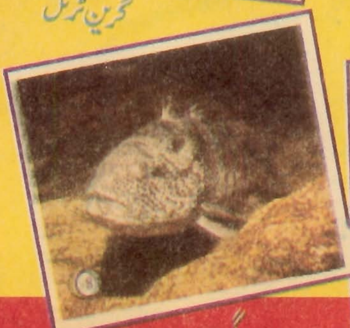

نومی کا دوست

محمد عادل منہاج

"نومی کے گُردے میں پتھری ہے۔" ڈاکٹر نے رپورٹ دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتھری ..... اتنی سی عمر میں۔" ڈاکٹر کے سامنے بیٹھا شخص پریشان آواز میں بولا۔

"ہاں مہران صاحب' عام طور پر پتھری وغیرہ بڑی عمر کے لوگوں میں ہی پیدا ہوتی ہے مگر بہرحال بچے بھی اس کا شکار ہوسکتے ہیں۔ یہ دیکھیے ایکسرے میں پتھری صاف نظر آرہی ہے۔" ڈاکٹر

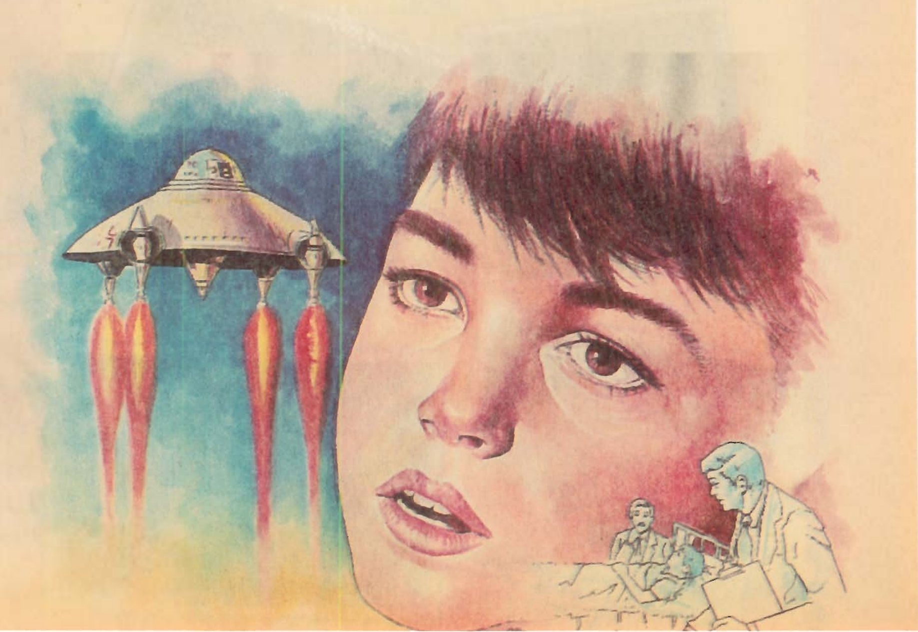

نے انہیں ایکسرے دکھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ! یہ تو خاصی بڑی ہے۔" مہران صاحب فکر مند ہو گئے۔

"جی ہاں۔ مجھے بھی حیرت ہے کہ اتنی بڑی پتھری کیسے پیدا ہوئی۔ خیر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال تو یہ دوائیں استعمال کریں۔ ان کے استعمال سے امید ہے کہ پتھری چھوٹے ٹکڑوں میں ٹوٹ جائے گی اور کیپسول تکلیف ہونے کی صورت میں استعمال کریں۔" ڈاکٹر نے پیڈ سے کاغذ پھاڑ کر ان کی طرف بڑھادیا۔

☆ --- ☆ --- ☆

اچانک نومی کی آنکھ کُھل گئی۔ اس کے پیٹ میں شدید درد ہو رہا تھا۔

"اب .... بووو ......" وہ تکلیف سے چلّایا۔ برابر کے پلنگ پر سویا ہوا اس کا بھائی کامی اس کی چیخ سُن کر اُٹھ بیٹھا۔ "کک ...... کیا ہوا نومی؟" وہ پریشان ہو کر پلنگ سے نیچے اُتر آیا۔

"درد .... ہو ...... رہا ہے ....." وہ پیٹ کو پکڑے ہوئے تکلیف کے عالم میں بولا۔

"میں ابو کو بلا کر لاتا ہوں۔" کامی دوڑا ہوا گیا اور فوراً ہی اس کی مہران صاحب کے ساتھ واپسی ہوئی انہوں نے الماری سے شیشی نکالی اور ایک کیپسول اسے دیتے ہوئے بولے، "لو نومی کیپسول کھالو درد رُک جائے گا۔" نومی نے ایک ہاتھ سے پیٹ پکڑے ہوئے کیپسول لے کر منہ میں ڈالا۔ کامی نے پانی کا گلاس اسے دیا۔

"بس اب لیٹ جاؤ۔ جلد ہی درد ختم ہو جائے گا۔" مہران صاحب بولے۔

"بہت درد ہو رہا ہے ابو۔" وہ تکلیف سے کراہا۔

"بس چند منٹوں میں کیپسول اثر دکھائے گا۔ شاباش ہمّت کرو۔"

اور پھر واقعی آہستہ آہستہ اس کا کراہنا بند ہو گیا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

"کیا ابھی تک پتھری نہیں نکلی ابو؟" کامی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ ڈاکٹر نے ایک ہفتہ تک دوائیں استعمال کرانے کو کہا تھا اس کے بعد دوبارہ ایکسرے ہوگا۔ پھر ہی کچھ پتہ چلے گا۔" مہران صاحب تھکی تھکی آواز میں بولے۔

☆ --- ☆ --- ☆

ڈاکٹر ایکسرے رپورٹ دیکھ رہا تھا۔

"کیسی رپورٹ ہے ڈاکٹر صاحب؟" مہران صاحب نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہوں ..... بات کچھ بنی نہیں۔ پتھری میں معمولی سا فرق پڑا ہے۔ اس حساب سے اسے ختم ہونے میں بہت عرصہ لگ جائے گا اور نومی اتنے عرصے تک اس تکلیف کو برداشت نہیں

کر سکے گا۔"

"پھر...... اب کیا ہو گا؟" مہران صاحب کا رنگ اُڑ گیا۔

"گھبرایئے مت۔ اس کا حل موجود ہے۔ آپریشن۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"آپریشن ۔ اتنی سی عمر میں۔" مہران صاحب پریشان ہو گئے۔

"ارے مہران صاحب اب تو چند ماہ کے بچوں کے بھی آپریشن ہو جاتے ہیں۔ میڈیکل سائنس نے بہت ترقی کرلی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"تو کیا آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ دواؤں کے ذریعے نومی کو طویل عرصے تک تکلیف اٹھانا ہو گی جبکہ آپریشن سے فوراً ہی پتھری نکال دی جائے گی۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب پھر جیسا آپ کہیں۔"

"آپ ایسا کریں اسے فوراً ہسپتال میں داخل کروا دیں۔ تفصیلی چیک اپ کے بعد آپریشن ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" مہران صاحب بولے۔

☆ --- ☆ --- ☆

نومی ہسپتال کے ایک کمرے میں بیڈ پر لیٹا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور مہران صاحب اندر داخل ہوئے "کیسی طبیعت ہے نومی؟" وہ بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گئے۔

ٹھیک ہوں ابو' ہلکا ہلکا درد ہوتا ہے بس۔" وہ بولا۔

"تم بالکل فکر مت کرنا نومی اور گھبرانا بھی مت۔ بہت چھوٹا سا آپریشن ہو گا۔ تمہیں کچھ پتہ بھی نہیں چلے گا اور پتھری نکل جائے گی پھر تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"جی ابو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں یہ لو یہ کتاب میں تمہارے لئے لایا ہوں تم لیٹے لیٹے بور ہوتے ہو گے۔ انہوں نے بریف کیس سے ایک کتاب نکال کر اسے دی۔ نومی نے کتاب لے کر اس کا نام پڑھا۔

"خلائی مہمان ..... واہ ابو آپ تو میری پسند کا ناول لائے ہیں۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"ہاں مجھے پتہ ہے کہ تمہیں فکشن کی کہانیاں بہت پسند ہیں۔ اچھا اب تم مزے سے ناول پڑھو۔ میں شام کو کامی کے ساتھ آؤں گا۔"

مہران صاحب چلے گئے اور نومی ناول پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ ناول اتنا دلچسپ تھا کہ پھر اسے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔

☆ --- ☆ --- ☆

شام کا وقت تھا۔ نرس ابھی ابھی اسے دوا کھلا کر باہر نکلی تھی کہ کامی اندر داخل ہوا۔

"ارے کامی تم ..... ابو نہیں آئے۔" نومی اسے دیکھتے ہی بولا۔

"آئے ہیں۔ ذرا ڈاکٹر صاحب کے کمرے تک گئے ہیں۔ اچھا تو تم یہاں لیٹے ناول پڑھ رہے تھے۔"

کامی نے اس کے ہاتھ میں ناول دیکھ کر کہا۔

"ہاں کامی بڑے مزے کا ناول ہے۔ پتہ ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے یہ بالکل میری ہی کہانی ہے۔

"تمہاری کہانی! کیا مطلب!" کامی حیران ہو کر بولا۔

"اس میں بھی ایک بچہ ہے جو بہت بیمار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا علاج کرتے ہیں مگر وہ ٹھیک نہیں ہوتا پھر پتہ ہے ایک دن کیا ہوتا ہے؟"

"کیا ہوتا ہے؟" کامی نے پوچھا۔

"دوسرے سیارے سے ایک شخص اُڑن طشتری میں آتا ہے وہ اس بچے سے دوستی کر لیتا ہے۔ پھر وہ اس بچے کو اپنے سیارے پر لے جاتا ہے اور وہاں اس کا علاج کرتے ہیں تو وہ بچہ بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

"اچھا..... چلو میں بھی پڑھ کر دیکھوں گا۔"

"پتہ ہے کامی..... میں سوچتا ہوں کہ کاش! کوئی دوسرے سیارے کا شخص میرا بھی دوست بن جائے اور اسی طرح میرا علاج بھی اپنے سیارے پر لے جا کر کرے۔" نومی خیالوں میں کھویا بولا۔

"چھوڑو یار..... یہ تو بس کہانیوں میں ہوتا ہے اور تمہارا علاج تو یہاں ہو ہی رہا ہے۔ جلد ہی تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔" کامی نے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے!" اسی وقت مہران صاحب کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔ "نومی واقعی بس چند دنوں میں بھلا چنگا ہو جائے گا۔"

"ڈاکٹر نے کیا کہا ابو؟" کامی نے پوچھا۔

"ہوں..... کل صبح ایک بار پھر ایکسرے اور خون ٹیسٹ وغیرہ ہوگا پھر اس کی بنیاد پر شاید کل شام ہی آپریشن ہو جائے۔"

"پھر تو نومی بالکل ٹھیک ہو جائے گا نا۔"

"ہاں بالکل ٹھیک۔" وہ کافی دیر تک نومی سے باتیں کرتے رہے اور اگلے دن صبح ہی صبح آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔

☆ --- ☆ --- ☆

نومی اندھیرے کمرے میں لیٹا چھت کو گھور رہا تھا کہ اسے سامنے دیوار پر روشنیاں سی گردش کرتی نظر آئیں۔ وہ حیران ہو کر ان روشنی کے دائروں کو دیکھنے لگا پھر اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کھڑکی میں ایک عجیب و غریب اور لمبا چوڑا سا شخص کھڑا تھا اس کے جسم سے روشنیاں پھوٹ

رہی تھیں جیسے چھوٹے چھوٹے سینکڑوں بلب جل رہے ہوں پھر وہ شخص اُچکا اور کھڑکی سے کمرے میں آگیا۔

"کون...... ہو تم؟" نومی خوفزدہ آواز میں بولا۔

"ڈرو مت نومی .... میں تمہارا دوست ہوں۔" وہ نرم آواز میں بولا اس کی آواز ایسی تھی جیسے سیٹیاں سی بج رہی ہوں۔

"میرے دوست......؟" نومی نے حیرانگی سے کہا۔

"ہاں ...... میں زمین سے بہت دور ایک دوسرے سیارے سے آیا ہوں۔" وہ بولا تو نومی حیرت سے اُچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ "کیا واقعی!" اس نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"ہاں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُڑن طشتری میں بیٹھا خلا کی سیر کررہا تھا۔ گھومتے گھومتے ہم زمین کی طرف آنکلے اور زمین کا جائزہ لینے لگے۔ پھر ہم نے اڑن طشتری میں لگی اسکرین پر اس ہسپتال کا منظر دیکھا تو ہمیں تمہاری آواز آئی۔ تم اپنے بھائی کامی سے باتیں کررہے تھے ہم نے سوچا کہ کیوں نہ تمہاری خواہش پوری کردی جائے اور ہم تمہارا علاج کر کے تمہیں بالکل ٹھیک کردیں۔" اجنبی نے کہا۔

"ارے کیا واقعی تم مجھے اپنے سیارے پر لے جاؤ گے اور وہاں میرا علاج کرو گے۔" نومی خوش ہو کر بولا۔

"نہیں سیارے پر تو نہیں وہ تو یہاں سے بہت دور ہے کئی دن لگ جائیں گے وہاں پہنچنے میں۔ ہماری اُڑن طشتری تمہاری زمین کے اوپر خلا میں معلّق ہے۔ میں تمہیں وہاں لے کر جاؤں گا اور اُڑن طشتری میں تمہارا آپریشن کر کے تمہاری پتھری نکال دیں گے۔" اجنبی نے کہا۔

"تو پھر کب چلو گے وہاں؟" نومی نے بے چینی سے پوچھا۔

"بس ابھی چل رہے ہیں چلو اُٹھو۔" وہ بولا اور نومی بستر سے اُتر گیا۔ کھڑکی کے راستے دونوں باغ میں آئے۔

"بس ابھی ہم لہروں میں تبدیل ہو کر اُڑن طشتری میں پہنچ جائیں گے۔" اجنبی بولا اور اس نے جیب سے ایک گول سا آلہ نکالا اور منہ کے قریب لا کر بولا۔ "ہم تیار ہیں۔" اس کے ساتھ ہی نومی کو یوں لگا کہ اس کا جسم دھندلا رہا ہے اور وہ ہلکا پھلکا ہوتا جارہا ہے پھر اس کے دماغ میں تاریکی چھاگئی اور وہ دونوں لہروں میں تبدیل ہوگئے۔ لہریں تیزی سے اوپر گئیں اور زمین سے اوپر خلا میں ٹھہری ہوئی اُڑن طشتری میں داخل ہوگئیں۔

نومی کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے ہال کے ایک کونے میں اونچے سے چبوترے پر کھڑا ہے۔ ہال نما کمرے میں چاروں

طرف آلات کا جال بچھا تھا۔ سامنے ہی ایک بہت بڑی اسکرین پر گول گول زمین نظر آرہی تھی۔ ہال نما کمرے میں چند اور لوگ بھی کھڑے تھے ان کے جسموں سے بھی اسی طرح روشنیاں پھُوٹ رہی تھیں۔

"آؤ نومی۔" اجنبی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ چبوترے سے اُتر کر کمرے کے درمیان میں پہنچے "تو یہ ہے نومی۔ جسے ہم سے دوستی کرنے کا شوق تھا۔" ایک شخص مُسکرا کر بولا۔

"ہاں مگر ہمارے پاس وقت بہت کم ہے ہمیں فوراً نومی کا آپریشن کر کے اسے واپس بھیجنا ہے۔"

"تو دیر کس بات کی ہے۔ ڈاکٹر بالکل تیار ہے۔" دوسرا شخص بولا۔

"چلو نومی۔" اجنبی اس کا ہاتھ پکڑ کر چلا جونہی وہ دروازے کے قریب پہنچے دروازہ خود بخود کھُل گیا۔ پھر ایک راہداری میں چلتے ہوئے وہ ایک اور کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ یہ دروازہ بھی کھُل گیا اور وہ اندر داخل ہوگئے۔ کمرے میں دو ڈاکٹر موجود تھے۔

"یہ نومی ہے ڈاکٹر جس کے گردے کی پتھری نکالنی ہے۔" اجنبی نے کہا۔

"یہ تو بس چند منٹوں کا کام ہے۔ نومی تم اس ٹیبل پر لیٹ جاؤ۔" ڈاکٹر نے کمرے کے بیچ رکھی لمبی سی ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

"مم ..... مجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی نا؟" نومی کا رنگ اُڑ سا گیا تھا۔

"ارے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اب تو تمہاری زمین کے ڈاکٹر بھی اتنے قابل ہیں کہ بغیر مریض کو تکلیف پہنچائے آپریشن کر لیتے ہیں اور ہم تو زمین سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ ہم تو تمہیں بے ہوش کیے بغیر تمہارا آپریشن کریں گے۔" اجنبی نے کہا۔

"بے ہوش کیے بغیر!" نومی حیرت سے بولا۔

"ہاں تم اپنا آپریشن ہوتا خود دیکھو گے۔" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔

پھر انہوں نے نومی کی قمیض اُتار کر اسے ٹیبل پر لٹا دیا۔ ٹیبل کے عین اوپر ایک بڑا سا آئینہ لگا تھا جس میں سب کچھ نظر آرہا تھا۔ نومی نے دیکھا کہ ڈاکٹر نے ایک بوتل سے کوئی دوا نکالی دوا نکال کر اس کے پیٹ پر مل دی۔ دوسرے ڈاکٹر نے ایک لمبا سا آلہ اٹھایا جس کے ایک سرے پر روشنی ہو رہی تھی جیسے ٹارچ جل رہی ہو۔ نومی نے آئینے میں دیکھا کہ ڈاکٹر نے آلے کا روشنی والا سرا اس کے پیٹ پر چلایا تو اس کا پیٹ کٹتا چلا گیا۔ اس کا منہ حیرت سے کھُل گیا کیونکہ اسے ذرا بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی پھر ڈاکٹروں نے قینچیاں اور دوسرے لمبے

سلاخ نما آلات اُٹھائے اور اس کے پیٹ پر جُھک گئے۔ اب اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کیونکہ پیٹ پر دونوں ڈاکٹر جُھکے ہوئے تھے۔ پھر ایک ڈاکٹر سیدھا ہوا اور بولا۔ "یہ دیکھو یہ رہی وہ پتھری جس نے تمہیں پریشان کر رکھا تھا۔" نومی نے دیکھا کہ ڈاکٹر نے چمٹی میں ایک چھوٹا سا پتھر پکڑ رکھا تھا جو اس نے ایک پلیٹ میں رکھ دیا "بس اب ہم گُردوں کو دھو کرصاف کردیتے ہیں۔" وہ بولا اور ایک بوتل اُٹھائی اور اسے دبا کر اس کا محلول اس کے پیٹ میں ڈالنے لگا۔ چند منٹ اور صرف کرنے کے بعد وہ سیدھا ہوا اور پھر وہی آلہ اٹھایا جس سے پیٹ چیرا تھا۔ ڈاکٹر نے اس پر لگا کر ایک بٹن دبایا تو اس کے سرے پر جلنے والی روشنی کا رنگ بدل گیا۔ اب ڈاکٹر نے دوبارہ آلہ اس کے پیٹ پر پھیرا تو دونوں کٹے ہوئے حصّے جُڑتے چلے گئے۔

"لو بھئی آپریشن مکمل ہوا۔ اب تم بالکل ٹھیک ہو۔" اجنبی بولا۔

"مم .....مجھے تو یقین نہیں آرہا۔" نومی ابھی تک حیرت زدہ تھا۔

"اب حیران ہونا چھوڑو اور فوراً واپسی کی تیاری کرو۔" کہیں ہسپتال میں تمہاری گُمشدگی کا پتہ نہ چل جائے۔"

"کیا آپ دوبارہ مجھ سے نہیں ملیں گے؟" نومی نے افسردگی سے پوچھا۔

"دیکھو .... اگر کبھی موقع ملا تو شاید ہماری دوبارہ ملاقات ہوجائے۔ مایوس کیوں ہوتے ہو۔ تم تو کتنے خوش قسمت ہو کہ یہاں تک آگئے ورنہ ابھی دنیا والوں کو تو ہمارے بارے میں کچھ بھی نہیں پتہ۔" یہ سن کر نومی کو واقعی فخر کا احساس ہونے لگا۔ پھر وہ دونوں واپس اسی ہال نما کمرے میں آگئے وہاں موجود لوگوں نے نومی کو مُبارک باد دی۔ نومی نے سب سے ہاتھ ملایا۔

"اچھا میں اسے چھوڑ کر آتا ہوں۔" اجنبی بولا اور اور نومی کو لے کر چبوترے پر چڑھ گیا۔ دونوں پر روشنی سی گری اور ایک بار پھر ان کے جسم دُھندلانے لگے اور دونوں غائب ہوگئے۔

☆ --- ☆ --- ☆

کوئی نومی کو زور زور سے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"اٹھو بھئی کیا گھوڑے گدھے سب بیچ کر سورہے ہو۔" نومی کی آنکھ کُھل گئی تو اس نے دیکھا کامی اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ مہران صاحب بھی کھڑے تھے۔

"آج تو خوب سوتے رہے۔" مہران صاحب مُسکرائے۔

"ابو ..... وہ ..... وہ ..... شخص ......" نومی ہکلایا۔"

"کون شخص؟" مہران صاحب حیران ہو کر

بولے۔

"رات وہ آیا تھا دوسرے سیّارے سے۔ اس نے مجھ سے دوستی کرلی ہے۔ پھر وہ مجھے اپنے ساتھ اُڑن طشتری میں لے گیا اور وہاں آپریشن کرکے میری پتھری بھی نکال دی۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"بھئی واہ ..... تم نے تو اس ناول کو سر پر سوار کرلیا ہے لگتا ہے سارے خواب میں ناول کی کہانی دیکھتے رہے ہو۔" کامی ہنستا ہوا بولا۔

"یہ .... یہ خواب نہیں ہے، حقیقت ہے۔" نومی نے پر زور الفاظ میں تردید کی۔

"اچھا...... اچھا چلو ٹھیک ہے اب تم منہ ہاتھ دھولو۔ اس کے بعد پہلے تمہارا ایکسرے ہوگا پھر ہم سب ناشتہ کریں گے۔" مہران صاحب جلدی سے بولے اور نومی اُلجھا اُلجھا سا غسل خانے میں چلا گیا۔

پھر نرس اسے ایکسرے کرانے کے لئے لے گئی اور جلد ہی واپس چھوڑ گئی۔

"چلو اب ناشتہ کرلو۔ پھر ڈاکٹر سے پوچھتا ہوں آپریشن کے بارے میں" مہران صاحب بولے اور وہ ناشتے میں مصروف ہوگئے۔ ناشتے کے بعد مہران صاحب بریف کیس سے اخبار نکال کر دیکھنے لگے اور نومی کامی کو آہستہ آہستہ رات والے واقعے کے بارے میں بتانے لگا۔ کامی سُنتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

اسی وقت دروازہ کُھلا اور ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں نومی کا ایکسرے تھا۔

"ارے ڈاکٹر صاحب! میں آپ کے پاس آنے ہی والا تھا۔ آپریشن کب ہوگا؟" مہران صاحب اخبار رکھتے ہوئے بولے۔

"بڑی عجیب سی بات ہے مہران صاحب ابھی ابھی ہم نے نومی کا ایکسرے لیا ہے اس کے مطابق نومی کے گُردے میں کوئی پتھری نہیں ہے۔"

"جی ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" مہران صاحب حیران ہو کر بولے۔

"میں خود حیران ہوں کہ کل شام تک تو اس کے گُردے میں پتھری موجود تھی اور اب جو ایکسرے لیا ہے وہ بالکل کلیئر ہے۔ دونوں گُردے بالکل صاف ہیں، پتھری تو کیا، مٹی کا ایک ذرّہ بھی موجود نہیں ہے۔ یہ لیں آپ خود دیکھ لیں۔" ڈاکٹر نے ایکسرے ان کی طرف بڑھا دیا مہران صاحب نے ایکسرے لے کر دیکھا۔ دونوں گُردے بالکل صاف تھے۔ پتھری کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

"یہ کیسے ...... ہوسکتا ہے؟" مہران صاحب حیرت زدہ انداز میں بڑبڑائے۔ کامی حیرت سے نومی کو گھور رہا تھا جبکہ نومی کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی!!

نتیجے کا دن

افشاں بشیر

آج اسکول میں ہے نتیجے کا دن
آج اسکول میں ہے نتیجے کا دن

اک قیامت کا اب سامنا ہے مجھے
جو کہ بویا تھا وہ کاٹنا ہے مجھے
دونوں ہاتھوں سے دل تھامنا ہے مجھے

سخت مُشکل میں ہوں یہ گھڑی ہے کٹھن
آج اسکول میں ہے نتیجے کا دن

سال بھر تک کتابوں سے دوری رہی
اور محنت ہمیشہ ادھوری رہی
حاضری گو کہ پوری کی پوری رہی

سخت مُشکل میں ہوں یہ گھڑی ہے کٹھن
آج اسکول میں ہے نتیجے کا دن

اس طرح کھیل میں تھا مگن ہر گھڑی
مجھ کو کھیلوں کا آتا تھا فن ہر گھڑی
اور پڑھائی سے تھی بس جلن ہر گھڑی

سخت مشکل میں ہوں یہ گھری ہے کٹھن
آج اسکول میں ہے نتیجے کا دن

میں سمجھتا تھا دشمن ہے میری کتاب
یاد مجھ کو نہ تھے اُردو، اِنگلش، حِساب
میرے پیپر ہوئے تھے بہت ہی خراب

سخت مُشکل میں ہوں یہ گھڑی ہے کٹھن
آج اسکول میں ہے نتیجے کا دن

مہمانوں سے جان چھڑانے کے چند طریقے

— سعد صدیقی

مہمان تو آپ کے گھر آتے ہی ہوں گے اور یقیناً" آپ ان کی اچھی طرح خاطر تواضع بھی کرتے ہوں گے۔ فرض کیجئے کہ آپ کے امتحانات نزدیک ہوں۔ گھر پر آپ اکیلی ہوں اور ایسے میں مہمان آجائیں تو یقیناً" آپ گھبرا اٹھیں گی، پریشان ہو جائیں گی۔ تلملا اٹھیں گی۔ لیکن مزہ تو تب ہے جب اسی قسم کے تاثرات مہمان "اپنے چہرے" پر لے کر رخصت ہو۔ آپ کہیں گی "وہ کیسے؟" تو آئیے اس کے لئے ہم آپ کو چند سنہری اصول بتاتے ہیں۔ جن پر عمل کر کے آپ اپنے مقصد میں سو فیصد کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔

۱۔ اپنے چہرے سے قطعاً" یہ ناظاہر ہونے دیجئے کہ مہمانوں کے آنے سے آپ کو خواہ مخواہ اور بلاوجہ خوشی حاصل ہوئی ہے۔

۲۔ مہمانوں کے سامنے خود کو آدم بیزار، چڑچڑی اور کم گو ثابت کرنے کی حتی الامکان کوشش کیجئے۔

۳۔ مہمانوں کے ہر سوال کا جواب محض "ہاں" یا "نہیں" میں دیجئے بلکہ کوشش کیجئے کہ سر ہلانے یا منہ بنانے سے یہ مطلب واضح ہو جائے۔

۴۔ مہمانوں کے ساتھ اگر بچے بھی ہیں تو وقتاً فوقتاً ان پر بھی قہر آلود نگاہ ڈالتی رہیئے تاکہ وہ کسی شرپسندانہ کاروائی کی ہمت نہ کر سکیں۔

۵۔ ہمیشہ یہ کوشش کیجئے کہ چائے پانی کا سوال کبھی بھی آپ کی طرف سے نہ ہو بلکہ مخالف سمت سے آئے۔

۶۔ چائے پانی کا ذکر اگر آبھی جائے تو کوشش کریں کہ موضوع تبدیل کردیا جائے۔ مہمانان گرامی کی توجہ اس طرف سے ہٹانے کی حتی الامکان کوشش کیجئے۔ مثلاً یہ موضوع چھیڑ دیجئے کہ "آج کل بھوک کیوں نہیں لگتی؟ حالات کی خرابی کے باعث یا ماحول کی آلودگی کے سبب؟

۷۔ اپنی گفتگو اور ٹھوس دلائل سے مہمانوں کو اس بات کا قائل کرنے کی کوشش کریں کہ اتنی سخت گرمی اور دھوپ میں کوئی احمق ہی گھر سے نکل سکتا ہے اور کسی کے گھر جا سکتا ہے۔ کوئی عقلمند شخص ایسا نہیں کر سکتا۔

۸۔ اپنی گفتگو سے مہمانوں کو اس بات کا یقین دلا دیجئے کہ آپ اس شہر کی سب سے مصروف ترین خاتون ہیں اور اس شہر کے بہت سے مسائل محض آپ جیسی باصلاحیت، ذہین، دانشور خاتون کی ایک نظر عنایت کے منتظر ہیں اور اگر مہمان آپ کو جلدی فارغ کردیں گے تو شہر کے مسائل حل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

۹۔ اگر مہمان حد سے زیادہ بے تکلف ہوں اور خود کو آپ کا قریب ترین عزیز سمجھتے ہوئے کھانا کھانے کے ارادہ کا برملا اظہار کردیں۔ تو آپ کو بھی فوراً" یہ ظاہر کردینا چاہئے کہ آج کل تو لوگوں میں میل محبت ہی نہیں رہی۔ خصوصاً" دوسروں کے گھر جا کر کھانا کھانے کے رواج تو بالکل ختم ہوتا جارہا ہے۔ عزیز رشتہ دار اجنبی بن کر رہ گئے ہیں۔"

اس طرح مہمان نفسیاتی طور پر متاثر ہوں گے اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کا کھانا مہمانوں سے متاثر ہونے سے بچ جائے گا۔

۱۰۔ ہر عمل کے ذریعہ آپ کی ہر ممکن کوشش یہ ہونی چاہئے کہ مہمانوں کو کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ بور کر سکیں۔ تاکہ وہ جلد از جلد اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ انہیں اب فوراً" گھر کی راہ لینی چاہئے۔

دوستو! اس طرح درج بالا اصولوں پر عمل کر کے آپ ان مہمانوں کے ساتھ بہتر طور پر پیش آسکتی ہیں جو ناپسندیدہ وقت میں ناپسندیدہ بچوں اور ناپسندیدہ باتوں کے ساتھ آپ کے گھر میں آتے ہیں۔

میل محبّت سب سے بڑھائیں

منور احمد صدیقی

میل محبّت سب سے بڑھائیں
پیار کے نغمے مل کر گائیں
اچھے اچھے کام کریں ہم
جگ میں اونچا نام کمائیں
میل محبت سب سے بڑھائیں

محنت کر کے عظمت پائیں
محنت سے ہم جی نہ چُرائیں
محنت ہر دم کرتے جائیں
اپنے وطن کا نام بڑھائیں
میل محبّت سب سے بڑھائیں

کوئی نہیں ہے اعلیٰ ادنیٰ
سب کے ساتھی ہم بن جائیں
سارے باطل فرق مِٹا کر
اچھے انساں ہم بن جائیں
میل محبّت سب سے بڑھائیں

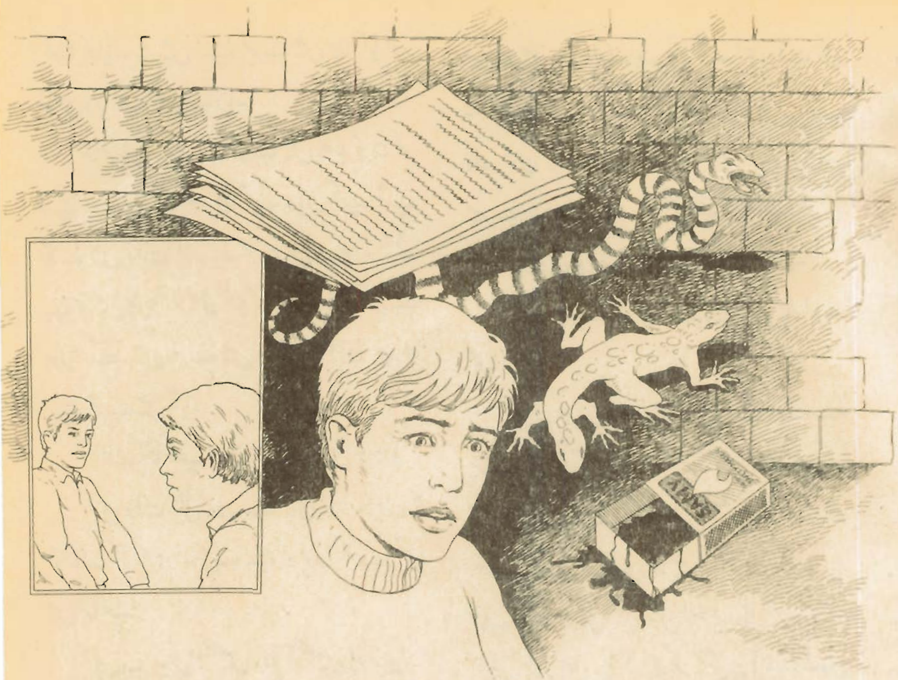

خوفناک کمرہ

سیدہ صدف عرفان

"تمہاری تیاری مکمل ہے نا راشد؟"

"جی سر' ڈرامہ میں نے لکھا ہے اس کا صرف ایک بنیادی کردار ہے جو میں ادا کر رہا ہوں۔ سر اکبر ڈار ہماری ریہرسل دیکھ چکے ہیں۔" میں نے مؤدب ہو کر جواب دیا۔

"شہر کے تمام اسکولوں میں ڈرامے کا مقابلہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہمارا اسکول پچھلی دفعہ کی طرح اس بار بھی اول آئے۔"

"انشاء اللہ سر ایسا ہی ہوگا۔" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ گھر میں داخل ہوا تو سارا گھر خالی پڑا تھا۔ صرف نومی بھیا کے کمرے سے آوازیں آرہی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ آج تو تمام گھر والے ایک شادی میں شرکت کے لئے لاہور چلے گئے تھے۔ میں ڈرامے کی وجہ سے نہیں جا سکا تھا اور نومی بھیا کو میری وجہ سے رکنا پڑا تھا۔ اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے۔ میں نے اور نومی بھیا نے

کھانا کھایا۔ پھر میں اپنے کمرے میں چلا آیا اور خاصی دیر تک مصروف رہا۔

شام پانچ بجے کے قریب میں بھیا کو بتا کر اپنے دوست کے گھر چلا گیا۔ وہاں گپ شپ لگانے میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ آٹھ بجے تو میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا کہ بھیّا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں کمرے میں داخل ہوا اور سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔

"اف کتنا گھپ اندھیرا ہے۔" میں بڑبڑایا۔

اسی وقت بجلی زور سے چمکی اور بادلوں کا خوفناک کڑاکا ہوا۔ ایک لمحے کو پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔

"ہیں..... یہ کیا؟" میں نے آنکھیں پھاڑیں۔ "یہ میرا کمرہ تو نہیں ہے۔ عجیب وغریب سا۔" میرا سانس رکنے لگا۔

سوئچ پر ہاتھ مارا تو لائٹ نہ جلی۔

"شاید لائٹ چلی گئی ہے یا ٹیوب لائٹ میں گڑبڑ ہے۔" میں نے سوچا۔

"ماچس....." میں نے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی "ہاں وہ میز پر پڑی تھی۔" میں اندازے سے میز کے قریب پہنچا اور ٹٹولنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد بالآخر ماچس کی ڈبیا میرے ہاتھ آ ہی گئی۔ کھولی لیکن اس میں تیلیاں نہ تھیں۔ گرم گرم سیال سی چیز سے میرا ہاتھ ٹکرایا تو میرے حلق سے ایک بلند چیخ نکلی۔ اسی وقت بجلی پھر چمکی تو میں نے دیکھا کہ ڈبیا میں تیلیاں نہیں بلکہ خون بھرا ہوا ہے۔ گرم گرم سرخ خون۔ میرے منہ سے پہلے سے بھی بلند اور ایک طویل چیخ برآمد ہوئی اور ڈبیا میرے ہاتھ سے گر گئی۔

"اوہ میرے خدایا"...... میرا سر چکرانے لگا۔

"کیا یہ میرا ہی کمرہ ہے؟" بجلی وقفے وقفے سے چمک رہی تھی۔ "نہیں یہ میرا کمرہ نہیں ہے" "لیکن گھر تو میرا ہی ہے۔" "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ساڑھے آٹھ بجے میں اپنے ہی گھر میں داخل ہوا تھا۔ بے شک رات ہو چکی تھی لیکن اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں اور میں نے اپنے گھر کا گیٹ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ پورچ میں بھیا کی وائٹ شیراڈ کھڑی تھی۔ میں اندر آیا تھا اور ٹی وی لاؤنج سے ہوتا ہوا بائیں جانب اپنے ہی کمرے، میں داخل ہوا تھا لیکن یہ کمرہ ..... اس کی سیٹنگ بالکل مختلف تھی۔

"گھر تو میرا ہی ہے لیکن کمرہ میرا نہیں ہے۔" یہ خیال مجھے خوفزدہ کر گیا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

میں نے دیوار پر ہاتھ رکھا اور اس کے سہارے آگے بڑھنے لگا۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ لیکن کمرہ تھا کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا

کمرے کی شمالی دیوار میں کھڑکی تھی۔ میں نے ساری دیواریں ٹٹول کر دیکھ لیں لیکن کھڑکی نہ ملی۔

"یا خدا! یہ کھڑکی کہاں چلی گئی؟" میں بڑبڑایا۔

اسی وقت بجلی پھر چمکی میں نے تیزی سے کمرے پر نظر ڈالی لیکن کھڑکی نظر نہ آئی۔ "کمال ہے جب کھڑکی ہی نہیں تو بجلی چمکنے سے کمرہ روشن کیسے ہو جاتا ہے۔" میرے رگ و پے میں سنسنی دوڑنے لگی۔

میں نے خدا کا نام لیا اور اسٹول تلاش کرنے لگا۔ شکر ہے چند لمحوں میں اسٹول مل گیا اور میں اس پر بیٹھ گیا اب میں منتظر تھا کہ کب دوبارہ بجلی چمکے، کمرہ روشن ہو اور میں دیکھوں کہ ٹیوب لائٹ کہاں ہے۔

بجلی دوبارہ چمکی میں نے تیزی سے سر گھمایا۔ ٹیوب لائٹ سامنے کی دیوار پر لگی نظر آگئی۔ میں نے پھرتی سے اسٹول اٹھایا اور ٹیوب لائٹ کے عین نیچے زمین پر رکھ دیا میں اسٹول پہ چڑھا اور ٹیوب لائٹ کو ہلانے لگا۔

"ہیں.....!!!" جونہی میرے ہاتھ ٹیوب لائٹ سے ٹکرائے میں چونکا۔

"یہ ٹیوب لائٹ کو کیا ہوا ہے؟ کیسی گندی ہو رہی ہے لجلجی سی" میں بڑبڑایا۔

اسی وقت بجلی کا چمکارا ہوا اور میں نے دیکھا کہ ٹیوب کے بجائے میرے ہاتھ سانپ پہ تھے۔ لمبا سا دھاری دار سانپ جو بالکل ساکت تھا۔ میں خوف سے لڑکھڑا گیا اور اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، دھڑام سے نیچے آگرا۔

تھوڑی دیر اسی طرح ساکت پڑا رہا پھر اٹھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پسینہ سے تربتر تھا گویا ابھی نہا کر نکلا ہوں۔

میں نے اٹھنا چاہا تو یوں لگا جیسے کسی نے ٹانگوں سے جان نکال لی ہو۔ مجبور ہو کر وہیں زمین پہ بیٹھ گیا۔ اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ میرے دائیں بائیں ہاتھ کی کلائی پہ کوئی چیز رینگ رہی ہے۔ اسی وقت بجلی چمکی اور میں نے دیکھا کہ میری کلائی پہ ایک چھپکلی بیٹھی تھی۔ مٹیالے رنگ کی ایک خوفناک چھپکلی جس کا ایک سر گردن پر ٹکا تھا اور دوسرا سر دُم پر، مجھے زور دار جھٹکا لگا۔ میں اٹھا اور دروازے کی طرف بھاگا لیکن یکدم رک گیا۔ میرے اندازے کے مطابق جہاں دروازہ ہونا چاہئے تھا وہاں دروازہ نہ تھا صرف دیوار تھی۔ سپاٹ دیوار۔ میں دیواروں والے اس خوفناک کمرے میں قید ہو چکا تھا۔ خوف سے میرا جسم جھٹکے کھانے لگا۔

یکدم ہی لائٹ آگئی۔ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی مجھ سے مخاطب ہو۔

میں نے روشنی سے بچنے کے لئے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے لیکن فوراً" ہی مجھے ہاتھ ہٹانے پڑے کیونکہ یہ نومی بھیّا کی آواز تھی۔ وہ پاٹ دار آواز میں کہہ رہے تھے "اتنی دیر سے کھانے کے لئے آوازیں دے رہا ہوں اور تم آہی نہیں رہے اور ....."ان کی نظر کمرے پہ پڑی۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے کمرے کا؟ فرش پہ ڈبیا کھلی پڑی ہے سرخ دوات سے زمین کا فرش اور ہاتھ رنگین ہو رہے ہیں۔ ٹیوب لائٹ پہ دھاری دار کاغذ چپکا ہوا ہے اور یہ چھپکلی .....ارے یہ کہیں ربڑ کی وہی چھپکلی تو نہیں جو چچا جان نے تمہیں دی تھی۔" نومی بھیا نے حیرت سے پوچھا "جی ہاں یہ وہی چھپکلی ہے"۔

"لیکن یہ تو دو چھپکلیاں تھیں اور اس کے دو سرے کیسے ہو گئے؟"

"میں نے دوسری چھپکلی کا سر کاٹ کر اس کی دُم پہ چپکا دیا ہے۔" میں سر جھکا کر بولا۔

"اوف ۔بے وقوف لڑکے یہ تم نے کیا کیا؟ اور تم یہاں کر رہے تھے؟" انہوں نے جھلا کر پوچھا۔

"میں ......میں ڈرامے کی ریہرسل کر رہا تھا۔" میں نے منہ پھلا کر جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

آنکھ مچولی

آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔
ہماری کاوش آپ تک اور آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

ہمارے مُعاون
ہمارے مددگار

صُوبہ سندھ اور بلوچستان میں آنکھ مچولی کے ایجنٹ

محمد حسین برادرز — کراچی — ٧٧٢٣١٢٦
مہران نیوز ایجنسی — حیدرآباد — ٢٠١٢٨
سلطان برادرز — نوابشاہ — ٢٣١٤
ایم ایم ٹریڈرز — کوئٹہ — ٧٥٠٠٢

خط وکتابت کے لیے
سرکولیشن مینجر
ماہنامہ آنکھ مچولی - ا-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

دیئے نہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

شہزاد خان کستوری

نیل مگرمچھ

دریائے نیل کا یہ مگرمچھ دریا کی سطح پر اس طرح پڑا رہتا ہے جیسے پانی کا بڑا سا تختہ تیر رہا ہو۔ بہت سے جانور جو بے خبری میں پانی پینے کیلئے نزدیک آتے ہیں، اس کا نشانہ بن جاتے ہیں۔

بھنورے

یہ بھنورا دشمن کو خبردار کر رہا ہے کہ قریب نہ آنا ورنہ اس کے خطرناک ڈنک کا اثر سہنا پڑے گا۔ جبکہ دوسرا بھنورا چونکہ ڈنک نہیں رکھتا اس لئے جامنی پھولوں کے درمیان اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

کیکڑا مکڑی

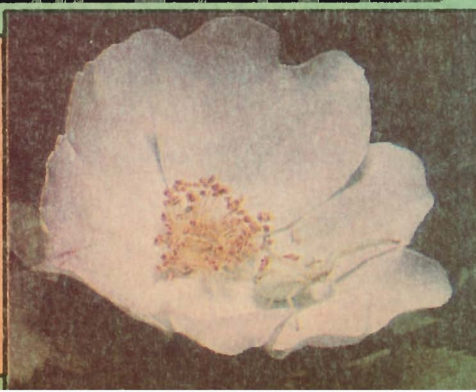

یہ ہے کیکڑا مکڑی۔ اس نے سفید پھولوں کو اپنا گھر بنایا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ سفید رنگت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ حد تو یہ ہے کہ کمر پر زرد دھبے اسے اسٹیمن سے مشابہت بخشتے ہیں اور یہ مزید ناقابل پہچان ہو جاتی ہے۔

شکاری پودے

جو جانداروں کو شکار کرتے ھیں

عامر اعجاز

"بلیڈر ورٹ" ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ پانی میں پرورش پانے والا یہ پودا اپنے غبارہ نما پھندوں کی مدد سے یک خلوی جانداروں سے لے کر چھوٹی مچھلیوں تک کو شکار کر سکتا ہے۔ تصویر میں ایک دریائی گھوڑا اس کے پھندے میں بے بسی کی صورت ۔۔۔ نظر آرہا ہے۔

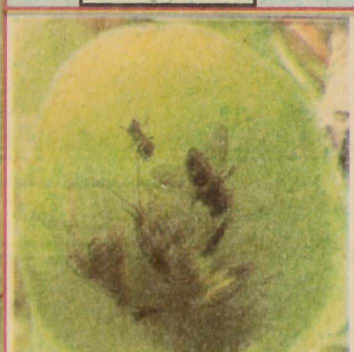

بیلوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والا یہ "پچرپلانٹ" مرطوب آب و ہوا میں پایا جاتا ہے۔ یہ اپنے صراحی دار پھندے میں کیڑے مکوڑوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ایک خاص قسم کا تیزاب خارج کرکے شکار کو بے بس کردیتا ہے۔

خوراک تمام جانداروں کی بنیادی ضرورت ہے۔ خوراک آپ بھی کھاتے ہیں' جانور بھی اور پودے بھی۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پودے اپنی خوراک دوسروں سے لینے کی بجائے ایک خاص عمل کے ذریعے خود تیار کرتے ہیں۔ اس عمل کو "ضیائی تالیف" کہتے ہیں۔

جانور اور انسان اپنی خوراک یا تو پودوں سے یا دوسرے جانوروں سے لیتے ہیں۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پودوں کی بعض اقسام ایسی ہیں جو جانوروں کی طرح شکار کرتی ہیں اور اپنی خوراک خود بنانے سے قاصر ہیں۔ یہ پودے ایسی دلدلی زمینوں میں پائے جاتے ہیں جہاں نائٹروجن کے مُرکّبات کی کمی ہوتی ہے۔ جبکہ نائٹروجن پودوں کی پیداوار کے لئے ایک لازمی جزو ہے۔ چنانچہ اپنے اندر نائٹروجن مادوں کی کمی کو یہ کیڑوں، مکوڑوں کا شکار کر کے پورا کرتے ہیں۔

یہ پودے اپنے خوبصورت رنگوں اور نیکٹر (میٹھا رس) کی مدد سے پہلے شکار کو لُبھاتے ہیں اور پھر انہیں خاص قسم کے پھندوں میں پھنسا لیتے ہیں۔ شکار ان پھندوں سے باہر نکلنے کی ناکام کوشش کے بعد ہلاک ہو جاتا ہے۔

پچر پلانٹ (Pitcher Plant)

شکاری پودوں کی عام مثال پچر پلانٹ کی ہے۔ یہ پودا مرطوب آب و ہوا میں پایا جاتا ہے اور بیلوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس پودے میں پائے جانے والے پھندے صراحی کی شکل کے ہوتے ہیں اور ان کا سائز اتنا بڑا ہوتا ہے کہ ایک چوہے کو بھی قابو کر سکتے ہیں لیکن عام طور پر یہ صرف کیڑوں، مکوڑوں کو ہی پھانستے ہیں جو کہ ان پھندوں کو خوبصورت پھول سمجھ کر رس چوسنے کے لئے اس کے اندر اُترتے ہیں۔ جب ایک دفعہ وہ صراحی کے اندر پہنچ جاتے ہیں تو خود بخود پیندے میں جا گرتے ہیں۔ صراحی کی اندرونی دیواروں پر کانٹے ہوتے ہیں جن کا رُخ نیچے کی طرف ہوتا ہے۔ اگر شکار باہر نکلنے کی کوشش کرے تو یہ رُکاوٹ بنتے ہیں۔

شکار کو بے ہوش کرنے کے لئے پودا خاص قسم کا تیزاب خارج کرتا ہے جو شکار کو بے بس کر دیتا ہے پھر ہاضمی رطوبتیں خارج کی جاتی ہیں جو شکار کے جسم کو توڑ پھوڑ کر جزو بدن بنا دیتی ہیں۔

بلیڈر ورٹ (Bladder Wort)

یہ بھی شکاری پودوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ پانی میں رہتے ہیں اور تقریباً ساری دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے پھندوں کی شکل غُبارہ نُما ہے۔ اپنے پھندوں کی مدد سے یہ چھوٹے چھوٹے یک خلوی جانداروں سے لے کر چھوٹی مچھلیوں تک کا شکار کر سکتے ہیں۔ غُبارہ نُما یہ پھندے پودے کے شاخ دار پتوں میں گھرے ہوتے ہیں۔ ہر پھندے میں اوپر کی جانب ایک سوراخ ہوتا ہے جس کے منہ پر دروازہ نما ڈھکن موجود ہوتا ہے۔ بے شمار بال اس سے چپکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بال بہت حسّاس ہوتے ہیں جونہی کوئی شکار ان سے ٹکراتا ہے تو سُوراخ کا دروازہ کھل جاتا ہے اور پانی زور کے ساتھ غُبارے کے

سُوراخ میں داخل ہوتا ہے۔
پانی کے ساتھ ہی شکار بھی اندر پہنچ جاتا ہے۔ بعد میں مخصوص غدودوں کے ذریعے پانی خارج کردیا جاتا ہے۔ اور شکار پھندے کے اندر قید رہ جاتا ہے۔ جہاں وہ دم گھٹنے یا خوراک کی کمی سے مرجاتا ہے اور پھر ہضم کرلیا جاتا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جنوبی اور شمالی ریاست کیرولینا میں پایا جانے والا "وینس فلائی ٹریپ" (Venus Fly Trap) بھی شکار کرنے والے پودوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا عام شکار گھریلو مکھیاں ہیں اس لئے مقامی لوگ اسے گھروں میں بھی اُگاتے ہیں۔

یہ پودا خوراک کو کھانے سے پہلے، مکمل طور پر شکار کی پہچان کرتا ہے اس مقصد کے لئے اس میں ابتدائی قسم کا عصبی نظام موجود ہے۔

پودے کے ساخت کچھ اس قسم کی ہے کہ ہر پتے کے اختتام پر ایک کانٹے دار پھندہ موجود ہوتا ہے۔ جس کے اندر تین چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔

یہ بال خوراک کی پہچان میں مدد دیتے ہیں۔ جب کوئی شے کسی ایک بال سے ٹکراتی ہے تو پودا چوکنّا اور دوبارہ چھوئے جانے کا انتظار کرتا ہے۔ اگر تیس سے چالیس سیکنڈ تک دوبارہ حرکت کا احساس نہ ہو تو پودا پہلے احساس کو بھول جاتا ہے۔

لیکن اگر اس دوران شے دوبارہ کسی بال سے چھوئے تو پودے کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کوئی زندہ شے ہے اس صورت میں کانٹے دار پھندہ بند ہوجاتا ہے اور شکار ایک پنجرے میں قید ہوجاتا ہے۔

متوازن غذا
صحت کی ضامن

ماہرینِ غذائیت، غذاؤں کو درج ذیل چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں

◉ - سبزیاں، پھل اور فروٹ
◉ - اناج، چاول، گندم اور دالیں وغیرہ
◉ - دُودھ، مکھن، گھی، پنیر اور دہی وغیرہ
◉ - گوشت، انڈے، مُرغی اور مچھلی وغیرہ

اگر آپ نے دن بھر کی غذاؤں میں ان چاروں حصوں سے کچھ نہ کچھ چکھ لیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ نے متوازن غذا کھائی اور آپ کے جسم کو مطلوبہ توانائی میسر آگئی۔

اشتہار برائے ترغیبِ حفظانِ صحت و تندرستیٔ اطفال - آنکھ مچولی

تنویر پھول

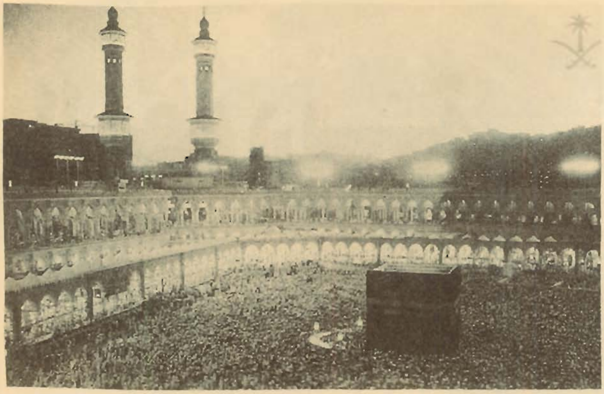

حج

وہ مُسلم جو دنیا میں ہیں مالدار
کریں حج کم از کم ضرور ایک بار

جو حاضر ہوں مکّہ میں وہ با ادب
طوافِ حرم تب کریں مِل کے سب

کریں گے جو حج سب مُسلمان یاں!
انہیں بخش دے گا وہ رب بے گماں

جو مکّہ میں جاکر کبھی حج کرو!
ہے لازم مدینہ بھی نظروں میں ہو

مُسلمان کعبہ کے ہیں پاسباں!
اسے کہتے ہیں سب "خدا کا مکاں"

زیارت ہو کعبہ کی ہم کو نصیب!
دُعا پھُول کی سُن خدائے مجیب!

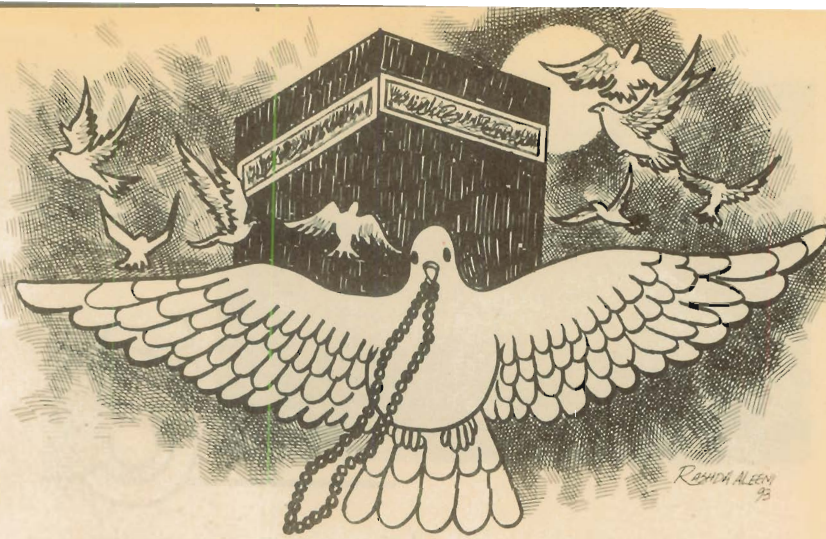

غلافِ کعبہ

علی جبران

کعبتہ اللہ پر غلاف چڑھانے کی رسم بڑی پرانی ہے۔ ایک روایت کے مطابق کعبہ میں سب سے پہلا غلاف حضرت اسماعیلؑ نے چڑھایا۔ فتح مکہ کے بعد رسول اکرمؐ نے اس سُنّت کو زندہ کیا اور غلاف چڑھایا۔ آنحضرتؐ کے بعد خلفائے راشدین نے اس سنت کی پیروی کی۔ رسولِ کریمؐ کے عہدِ مبارک میں دس محرّم کو نیا غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ بعد میں سال میں دو غلاف چڑھائے جانے لگے ایک عید الفطر کے روز اور دوسرا دسویں محرّم کو۔

بعد ازاں حج کے موقع پر غلاف چڑھایا جانے لگا۔ ایک عرصہ دراز سے سیاہ رنگ کا غلاف تیار کیا جاتا ہے لیکن رنگ کی کوئی قید نہیں ہے۔ ساتویں صدی تک مختلف رنگوں کے غلاف بنتے رہے۔ ساتویں صدی میں ایک عباسی خلیفہ نے سیاہ رنگ کا غلاف بنوایا اور بعد میں اس کا "تتبع" کیا گیا۔ مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں اور مختلف بادشاہوں کی طرف سے غلاف بھیجے جاتے رہے کوئی ایک ہزار برس قبل مصر کو غلاف بنانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ظہورِ اسلام سے قبل بھی کعبہ پر غلاف چڑھانے کی رسم موجود تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے بعد کعبہ میں تشریف لے گئے تو کعبہ پر غلاف موجود تھا۔ اس

وقت تک خانہ خدا کی حفاظت اور دیکھ بھال قریش کرتے تھے۔ حضورؐ نے کعبہ پر یمنی چادروں کا نیا غلاف چڑھایا۔

آپؐ کے بعد حضرت ابو بکراور حضرت عمرؓ ہر سال غلاف چڑھاتے رہے۔ پُرانے غلاف کے ٹکڑے غُربا میں تقسیم کردیئے جاتے۔ حضرت عمرؓ نے کچھ عرصہ کے لئے غلاف کو دفن کرنا شروع کردیا۔ لیکن بعد میں پھر اس کے ٹکڑے تقسیم ہونے لگے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں بھی ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا رہا البتہ یہ تقریب نہایت سادگی اور خاموشی سے ادا کی جاتی۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں بھی کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھائے جانے لگے اور پھر دو یا تین ماہ بعد غلاف بدل دیا جاتا۔ تمام اموی خُلفا نے اس دستور کو قائم رکھا۔

عباسیوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ وہ بھی ریشمی غلاف بنواتے اور بڑے اہتمام کے ساتھ کعبہ پر چڑھاتے۔ اکثر پُرانے غلاف نہ اُتارے جاتے۔

۱۴۰ ہجری میں غلاف پر لکھائی ہونی لگی جو ابھی بھی کی جاتی ہے۔ منصور بن ناصر نے غلاف کی تیاری پر اُٹھنے والے مصارف کے لئے قاہرہ کے نواح میں چند دیہات کی آمدنی وقف کر رکھی تھی۔ مصر سے غلاف کی روانگی کے موقع پر بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ غلاف کو محل میں رکھ کر نمائش کی جاتی اور پھر جلوس نکالا جاتا تھا۔ جب غلاف مکہ پہنچ جاتا تو اس کی پیشوائی کی جاتی یہ صورتحال کچھ عرصہ قبل تک جاری رہی۔

سعودی عرب نے مصر سے اختلاف کی بنا پر مصر میں تیار کردہ غلاف لینے سے انکار کردیا۔ اس سے پہلے بھی کئی موقعوں پر اسی طرح کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ مثلاً ۱۳۳۳ ہجری میں شریف مکہ حسین ابن علی نے غلاف بنوا کر بھیجا۔ لیکن جنگ (یہاں جنگ عظیم) چھڑ جانے کے باعث راستہ مسدود ہو گیا۔ اور غلاف مکہ معظمہ نہ پہنچ سکا تو مصری غلاف ہی کعبہ پر چڑھایا گیا۔

۱۳۴۲ ہجری میں پہلی بار نائیلون سے بنا ہوا غلاف' کعبہ پر چڑھایا گیا۔ ۱۳۴۵ ہجری میں سعودی عرب اور مصر میں پھر اختلاف رونما ہو گئے۔ چنانچہ سعودی حکومت نے اپنے طور پر غلاف تیار کرنا شروع کردیا۔ ۱۳۵۶ ہجری میں جب اختلاف ختم ہوئے تو مصر نے پھر غلاف بھیجنا شروع کردیا۔ کچھ عرصہ انڈیا نے بھی غلاف سعودی عرب بھجوائے۔ پھر سعودی عرب نے خود غلاف تیار کرنے کے کارخانے لگائے جہاں سینکڑوں ہندوستانی اور پاکستانی کاری گر یہ کام کررہے ہیں۔

چچا میاں کی بقرعید

نورین طلعت عروبہ

چچا میاں بڑے شوق سے عیدالاضحیٰ پر قربانی کرنے کے لئے بیل خرید کر لائے۔ شام ہوئی تو نو سالہ علیحہ اور سات سالہ جبار چچا میاں کے ساتھ اسے چرانے کے لئے لے گئے۔ وہ جگہ تو کافی دور تھی جہاں گھاس مل سکتی تھی۔ اچانک ہرا ہرا سبزہ جو کسی کوٹھی کے باہر اُگا ہوا تھا۔ بیل کو نظر آگیا..... بس جناب بیل نے رسی کو ذرا سا جھٹکا دیا اور چار پانچ کوٹھیاں چھوڑ کر چھٹی کوٹھی کے لان میں گھسنے کی تگ و دو شروع کردی۔ بیل کی آنکھوں کے زاویئے وحشت ناک تھے اور رویّہ تشویش ناک۔ حالات کو افسوسناک رُخ اختیار کرتے دیکھ کر علیحہ اور جبّار تو گھبرا کر گھر کو بھاگ آئے لیکن چچا میاں بھلا بھاگ کر کہاں جاتے؟ بیل نے ان سفید خوبصورت زنجیروں کی بھی پرواہ نہ کی جو پھولوں کی باڑھ کے ساتھ ساتھ خوبصورتی اور حفاظت کے لئے لگائی گئی تھیں۔ عشق کی ایک جست نے کردیا قصّہ تمام۔ پہلا قدم ایک خوبصورت گول کیاری پر پڑا جس میں کاسنی

رنگ کے نرم و نازک چھوٹے چھوٹے بہت سے پھول کھِلے ہوئے تھے اور تمنا کا دوسرا قدم جسے حضرتِ غالب تلاش ہی کرتے رہ گئے تھے' بیل صاحب نے ایک نازک سی بیل پر رکھا اور منہ میں دبا کر جو جھٹکا دیا ہے تو کوٹھی کی دوسری منزل تک جاتی ہوئی بیل چشم زدن میں نیچے آگری۔

چچا میاں حتی المقدور کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح بیل ان کے قابو میں آجائے۔ ڈرتے ڈرتے رسی پکڑنے کو اس کے نزدیک جاتے تو اس کے نتھنوں سے نکلتی ہوئی پھنکار نُما آواز اور جبڑے کے قرب و جوار میں بہتا ہوا سفید جھاگ دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتے۔ پھر خیال آتا کہ جس کوٹھی کو بیل صاحب نے منتخب فرمایا ہے وہ اٹک پار کے ایک پٹھان کی ہے۔ یہ خیال اتنا روح فرسا تھا کہ ایک بار تو چچا میاں نے سوچا جان ہے تو جہان ہے۔ اپنی جان بچالیں اور بیل کو چھوڑ کر غائب ہوجائیں۔ پوچھ گچھ پر مُکر جائیں گے کہ بیل ہمارا ہے لیکن پھر سوچا کہ زمانہ اتنا سستا نہیں رہا ہے کہ تیرہ ہزار کا بیل یوں مُفت میں کسی کو سونپ دیا جائے۔ انہیں بکرا منڈی کے وہ مناظر یاد آنے لگے جب سفید پوش طبقے کے کچھ افراد بکرا خریدنے آئے اور قلیل رقم کے باعث بکرے سے بھی محروم رہے اور بکرا فروشوں کی جلی کٹی باتیں بھی سننی پڑیں۔ ایک صاحب نے کہا ڈیڑھ ہزار تک کوئی بکرا ہوگا تو بکرا فروش بولا "لگتا ہے پہلی بار بکرا منڈی دیکھی ہے۔" ایک اور صاحب کی جیب میں اس سے بھی کم رقم تھی انہوں نے بارہ سو کا بکرا ڈھونڈنے کی کوشش کی تو بکرا فروش نے فوراً" مُفت مشورے سے نوازا کہ "میری مانیں تو آپ اس بار مُرغا قربان کرلیں۔"

چچا میاں نے یہ سوچ کر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ہمیں قربانی کے لئے اتنا بڑا جانور دے دیا ہے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور ڈھیر ساری ہمّت جمع کرکے زور سے بیل کی رسی کھینچی۔ بیل نے مُڑ کر خوفناک نظروں سے چچا میاں کی طرف دیکھا۔ ایک ادا سے مُڑا اور اگلی دونوں ٹانگیں سیدھی کرکے جو ہائی جمپ لگائی ہے تو چچا میاں کیاریوں کے اوپر سے کُودتے گملوں کو روندتے اور لان کی لائیٹس سے ٹکراتے ہوئے باہر کی طرف بھاگے۔ بیل صاحب، مقابلے پر ان کے پیچھے رواں دواں تھے۔ سٹیلا ئٹ ٹاؤن راولپنڈی کی سڑکوں (ٹوٹی پھوٹی سڑکوں) پر یہ دوڑ گویا رُکاوٹوں والی دوڑ کا نمونہ بن گئی۔ کہیں بڑے بڑے کھڈے، کہیں کھلے مین ھول اور کہیں کوڑے کے بدبو دار ڈھیر اور رُکے ہوئے پانی کے جوہڑ جن پر مچھروں کا میوزک سونے پر سہاگہ تھا۔ لیکن چچا میاں پھرتی کی مثال بنے اور بقول شاعر 'اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے' سامنے سے آتی ہوئی دو

گاڑیوں نے ان کے سفید کپڑوں پر کیچڑ کے وہ نقش بنائے جو ٹی وی پر آنے والے لان پرنٹس کی تمام ورائٹی کو ماند کر گئے۔ لیکن اس وقت کپڑوں کا ہوش کسے تھا۔ چچا میاں پر یہ قیامت کی گھڑی تھی اور اس وقت انہیں صرف اپنی جان بچانے کی پڑی تھی۔ لیکن اب ہزاروں میٹر کی یہ دوڑ ان کی برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ تماشائیوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ سامنے سے آنے والی ایک نسبتاً کم رفتار گاڑی کے بونٹ پر گرے اور پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئے۔ آنکھ کھلی تو بستر پر موجود تھے۔ بھائی' بھابی' اماں' علیحہ اور جبار سب آس پاس کھڑے تھے۔ بھائی صاحب نے پیار سے ان کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور بتایا کہ "جس گاڑی پر وہ گرے تھے اس کے پیچھے والی گاڑی..... میں وہ اور ان کے دوست تھے جو چچا میاں کو ڈھونڈتے وہاں پہنچے تھے۔" آپ پورے ۱۶ گھنٹے بعد ہوش میں آئے ہیں۔ عید کا دن شروع ہو چکا ہے اور قصائی باہر بیٹھا ہے۔ آیئے بیل پر ہاتھ پھیر دیجئے۔ تاکہ قربانی کا عمل شروع ہو۔".... بھائی بولے اس بیل پر ہاتھ پھیرنے کے خیال سے ہی چچا میاں کی چیخ نکل گئی وہ چلا اُٹھے "ہائے آپ خود ہی ہاتھ پھیریئے اور اگر میری ذرا سی بھی صحت اچھی ہوتی تو اس کو وہ مزہ چکھاتا کہ یاد رکھتا ہائے!"

مرکھنے بیل کی حرکت کی وجہ سے بے چارے چچا میاں کی بقر عید بستر پر ہی گزری!!

آنکھ مچولی آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔ ہماری کاوش آپ تک اور آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

ہمارے معاون ہمارے مددگار

صوبہ سرحد و پنجاب میں "آنکھ مچولی" کے ایجنٹ

۱	افضل نیوز ایجنسی	پشاور ۶۲۵۱۵	۱۰	طاہر نیوز ایجنسی	جہلم
۲	سلطان نیوز ایجنسی	لاہور ۵۸۲۴۹	۱۱	چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یار خان۔ ۲۶۲۶
۳	راولپنڈی نیوز ایجنسی	راولپنڈی ۵۵۵۶۱۹	۱۲	مسلم بک ڈپو	سرائے عالمگیر
۴	اے ایس حامد نیوز سروس	ملتان ۴۳۳۱۰	۱۳	رحمت بک اسٹال	اوکاڑہ
۵	نیب حسن بک ڈپو	فیصل آباد ۲۷۴۰۶	۱۴	رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ ضلع بہاولنگر
۶	اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ	۱۵	ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ ۸۷۹۸۹
۷	سعید بک اسٹال	گجرات ۳۶۳۹	۱۶	سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال
۸	پاکستان اسٹنڈرڈ بک اسٹال	سرگودھا ۶۲۹۵۱	۱۷	اسلامی نیوز ایجنسی	وہاڑی ۲۸۸۹
۹	خالد بک اسٹال	گجرات ۳۷۳۱	۱۸	کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور ۲۹۵۷

خط و کتابت کے لیے **سرکولیشن مینجر** ماہنامہ آنکھ مچولی، ا-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

اِک رات کا قصّہ

شکیل الدین ملک

اک رات کا ہے قصّہ، تھا وقت دو بجے کا
کمرے میں سو رہا تھا، دنیا سے بے خبر تھا

کھٹ پٹ ہوئی تو میری آنکھیں کُھلیں اچانک
کچھ بھی نظر نہ آیا، کمرے میں تھا اندھیرا

کچھ ایسا خوف چھایا، لرزہ تھا جسم و جاں پر
جو یاد آیتیں تھیں، پڑھ کر بدن پہ پھونکا

بائیں طرف جو دیکھا، اک چیخ منہ سے نکلی
آنکھیں چمک رہی تھیں، ابتر تھا حال میرا

جس وقت ان کو دیکھا، بے ہوش ہوگیا میں
ماں باپ سامنے تھے، جب ہوش مجھ کو آیا

آیا نہ کچھ سمجھ میں، کیا ماجرا ہوا ہے؟
"کیا ہوگیا ہے مجھ کو؟" ابّو سے میں نے پوچھا

وہ بولے چیخ سُن کر ہم دوڑے دوڑے آئے
بتی جلائی جوں ہی، بے ہوش تم کو پایا

بستر کے پاس ہی تھی اک کالی کالی بلّی
اک بید سے ڈرا کر ہم نے اسے بھگایا

جو ماجرا ہوا تھا، میری سمجھ میں آیا
شرمندگی سے میں نے بستر میں منہ چھُپایا

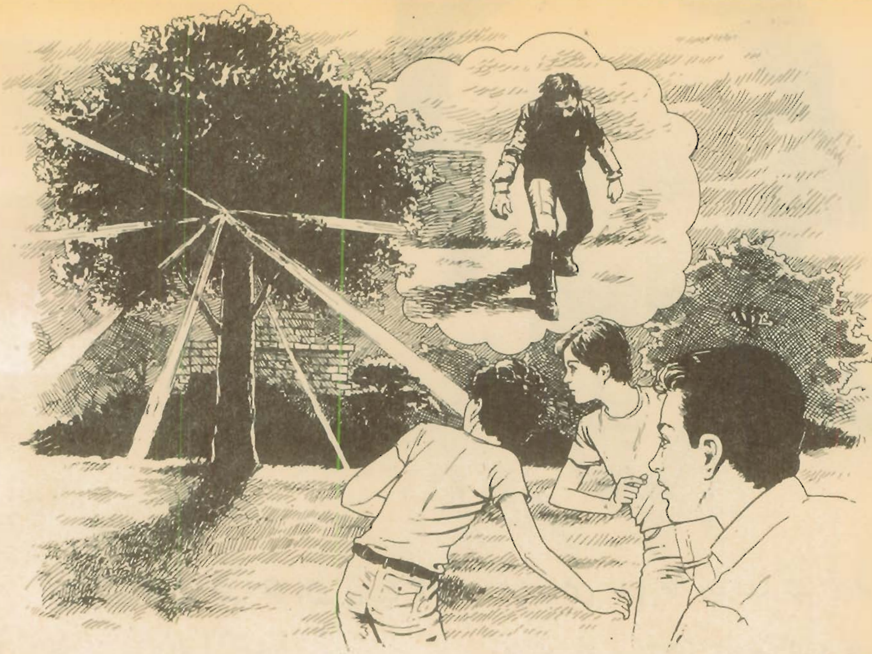

بھوت پکڑا گیا

محمد مجاہد منہاس

ابو جان نے کونے میں پڑا ہوا ڈنڈا اٹھایا اور دروازے کی طرف لپکے.... کون....؟" انہوں نے پورے جوش سے کہا۔

"ابا جی! مم ....میں...." باہر سے طاہر کی ہکلاتی ہوئی آواز آئی۔

ابو جان نے ڈنڈا دروازے کے ایک طرف رکھا اور کنڈی گرا دی۔ دروازہ کھلا' وہ دھڑام سے دروازے کے اندر گر پڑا۔ امی جان بھی طاہر کی طرف بڑھیں۔ انہوں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ابو جان پانی لینے کے لئے نلکے کی طرف بڑھے۔ ہم سب ہی گھبرائے ہوئے تھے۔

ابو جان نے طاہر کے چہرے پر پانی کے چھینٹے

مارے۔ اس کو ذرا ہوش آیا تو جھٹ سے پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگایا گیا۔

اس وقت طاہر آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ ساتھ والے گاؤں کے اسکول میں داخل تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب چھٹی کے بعد دو گھنٹے پڑھایا کرتے تھے۔ شام تک وہ گھر پہنچ جاتا تھا۔ لیکن آج اسے آنے میں دیر ہو گئی تھی اور آیا بھی تھا تو اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔

"بھ بھ ......بھوت۔" پانی پیتے ہی طاہر کو ہوش آ گیا۔ اور وہ چیخا۔

"ہائے بھوت۔" سبھی حیرانگی سے چلائے۔

"یہاں تو کوئی بھوت ووت نہیں ہے بیٹے۔" امی مجھ سے مخاطب ہوئیں۔" شاکر! ساتھ والے خواجہ صاحب کے ہاں آب زم زم ہے دوڑ کر کے جا اور پانی لے کر آ۔" میں آب زم زم لانے کے لئے بھاگا۔

طاہر کو زم زم کا پانی پلایا گیا۔ اس کا خوف دور ہوا اور کچھ حوصلہ ہوا۔ ابو جان ڈیرے پر سونے کے لئے چلے گئے۔

"طاہر!" میں نے اسے مخاطب کیا "تم نے بھوت کہاں دیکھا ہے.....؟"

"وہ.....وہ کیسا تھا؟" فرح نے بھی پوچھا۔

"غیر آباد اینٹوں کا بھٹہ ہے نا۔" وہ بولا

"ہاں ہے۔" طارق بھی بول پڑا۔

"ہمارے گاؤں کے مغرب میں۔"

"اس بھٹے کے ساتھ برگد کا درخت ہے۔ وہ ڈراؤنا بھوت اس پر بیٹھا ہوا تھا۔" اس نے ہمت کر کے بتایا۔

تمہیں کیسے پتا چلا؟" میں نے سوال کیا۔

"خوفناک آوازیں سنیں اور سرسراہٹ محسوس کی تو میں نے ادھر ادھر دیکھا اور جب برگد کے درخت پر دیکھا تو اف اللہ!" وہ بولتا جا رہا تھا "بھوت کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ لمبے لمبے ناخن اور منہ سے دو دانت کمان کی صورت نکلے ہوئے تھے اف اللہ!"

"طاہر! ہمیں بھی بھوت دکھاؤ گے؟"

"کیا؟" اس نے آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھا۔

بھائی جان! زیادہ بہادر نہ بنیں۔ اس واقعہ کو بھول جائیں۔" طاہر نے مشورہ دیا۔ وہ اب بھی خوفزدہ تھا۔

"ہم تو دیکھیں گے بھائی ہم تو بھوت دیکھیں گے۔" طارق خوشی سے بولا۔

ہم تینوں چپکے سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہم سب کا رخ برگد کے درخت کی طرف تھا۔ سب ہی بھوت کو دیکھنے جا رہے تھے۔ ہم نے کھلے راستے کے بجائے کھیت کے ساتھ والا راستہ اپنایا۔ برگد کا پیڑ جیسے جیسے نزدیک آتا گیا۔ طاہر

کے بیان کی تصدیق ہوتی گئی- واقعی بھوت کی آنکھیں انگارے اگل رہی تھیں- کمان کی طرح کے دو دانت بھی نظر آگئے- اب تو میں بھی اندر سے ڈرا ہوا تھا-

"بھائی جان! دیکھ لیا بھوت؟.... اب واپس چلیں" طارق گھبراہٹ کے عالم میں بولا-

"نہیں چھوٹے! ہم بھوت کو قریب سے دیکھیں گے؟" میں نے طارق سے کہا میں اسے پیار سے چھوٹا کہتا ہوں-

ہم اور آگے بڑھے- قریب سے ٹارچ کی روشنی درخت پر ڈالی گئی- ہم نے دیکھا بھوت وہاں نہ تھا- جونہی ہم نے روشنی درخت پر سے ہٹائی تو بھوت آن ٹپکا-

"بھائی جان! یہ آوازیں کیسی؟" طارق نے متوجہ کیا-

میں نے کان لگائے اور کچھ اس طرح کی آوازیں سنیں- "شو ہو.... شو ہو.... شو ہو.... غوں غاں...."

"واقعی یہ بھوت کی آوازیں ہیں- میں نے بھی سنی تھیں- اس کا مطلب ہے بھوت ابھی یہیں ہے لیکن ٹارچ کی روشنی ڈالنے سے غائب کیوں ہوجاتا ہے؟" ہم پیڑ کے دوسری طرف ہوئے- میں نے ٹارچ کی روشنی، تھوڑا دور ہو کر کے درخت پر ڈالی- سبھی خوف سے چلائے- یہ بھی بھوت"

ہم سب خوفزدہ تھے- درخت کے مشرق کی طرف روشنی ڈالتے تو بھوت غائب ہوجاتا- جبکہ مغرب کی طرف سے روشنی ڈالنے پر بھوت ظاہر ہوجاتا تھا- ہم گنے کے کھیت کے کنارے پر بیٹھ گئے- اور الجھن کو سلجھانے کے لئے سوچنا شروع کردیا- میرا دھیان خوفناک آوازوں کی طرف ہوا- میں نے غور سے آوازیں سننی شروع کیں-

"سنو" میں نے سب بھائیوں کو متوجہ کیا-

"درخت پر بھوت ہے ہی نہیں"

"کیا....؟" سبھی چلائے-

"ہاں" میں بولا- آوازیں درخت پر سے نہیں بلکہ اینٹوں کے غیر آباد بھٹے کی طرف سے آرہی ہیں-"

"لیکن درخت والا بھوت؟" طارق بولا-

درخت پر کوئی بھوت نہیں ہے، چاند کی کرنیں مشرق کی سمت سے درخت پر پڑتیں تو سایہ جنم لیتا ہے اور اس سایہ کو ہم نے بھوت سمجھ لیا ہے- اور جب ہم مغرب سے اپنی ٹارچ کی روشنی ڈالتے تو درخت پر سایہ بن جاتا- جسے ہم بھوت کہتے ہیں- ٹارچ کی روشنی مشرق کی سمت مخالف زاویے سے پڑتی تو سایہ غائب ہوجاتا ہے"

"واہ شاکر بھائی واہ" سبھی نے مجھے داد دی-

"لیکن بھائیو! یہیں کہیں بھوت بھی ہے،
میں پھر بولا "یہ خوفناک آوازیں یقیناً" اسی بھوت
کی ہیں۔"

"ہاں واقعی" طارق اور طاہر نے میری ہاں
میں ہاں ملائی۔

ہم اینٹوں کے غیر آباد بھٹے کی طرف چل
پڑے۔

ہم جوں جوں بھٹے کے قریب ہوتے جارہے
تھے۔ آوازیں تیز ہوتی جارہی تھیں۔وہ ہمیں
ڈرائے جارہی تھیں اور پھر بھی ہم سب اکڑ کے
آگے بڑھتے جارہے تھے۔

جہاں سے بھٹے میں کچھ اینٹیں بھری جاتی
تھیں وہاں سے ہم اندر داخل ہوئے۔ آوازیں
اب قریب سے آتی معلوم ہوئیں۔ ہم اور آگے
بڑھے۔

"کڑچ کڑچ.... کڑچ" کی آوازیں بھی بلند
ہوتیں۔ ہم نے "دھڑل" کی آواز سنی۔

بھٹے کی چمنی کے نیچے والے سوراخ سے
جہاں آگ جلائی جاتی تھی، ایک بھوت نکلا اور
غوں غوں کرتا ہماری طرف بڑھا۔ ہماری سٹی گم
ہوگئی۔ ہم نے گھر کی طرف دوڑ لگائی۔ بھوت بھی
ہمارے پیچھے پیچھے تھا۔ ہم نے گھر میں داخل ہوکر
اندر سے کنڈی چڑھائی۔ کالا سیاہ بھوت باہر ہی رہ
گیا۔

"غوں غوں"۔ بھوت کی آواز اب بھی آرہی
تھی وہ گاؤں میں ہی اچھل کود رہا تھا۔ پورے
گاؤں میں خوف پھیل گیا۔

"شاکر بھائی!" طاہر کو بولنے کا حوصلہ ہوا۔
یہ بھوت تو نہیں ہوسکتا؟"

"کیسے؟"

بھوت کے دو خونخوار دانت منہ سے کمان کی
طرح باہر نکلے ہوتے ہیں۔ اس کے پاؤں بھی
الٹے ہوتے ہیں۔' آنکھیں بھی تین'اور ہاتھ کی
دس دس انگلیاں ہوتی ہیں۔ ناخن بھی فٹ بھر
لمبے ہوتے ہیں"۔ طاہر بولتا چلا گیا۔

"ہاں واقعی"۔ کہہ کر میں باہر نکل گیا۔

بھوت نے مجھے پکڑلیا' میں نے اس کا ہاتھ
پکڑلیا اور اسے گھر کی طرف لے کر چل پڑا۔

"طاہر' طارق"۔ میں نے گھر کے دروازے پر
پہنچ کر انہیں بلایا۔ "حاضر ہے"۔
بھوت.... جی بھر کے دیکھ لو...."۔

طارق کو اندر بھیجا وہ تولیہ اور صابن لے کر
آیا۔ بھوت تولیہ اور صابن لے کر غسل خانے
میں گھس گیا۔

"بھوت صاحب! غسل کررہے ہیں۔" طارق بولا۔

"طارق اور طاہر سنو"۔ میں نے بولنا شروع
کیا"۔ یہ بھوت نہیں بلکہ ہم جیسا آدمی ہے۔"

"ہائیں"۔ طاہر اور طارق حیران ہوئے۔

"لیکن وہ خوفناک آوازیں۔"

"بھٹے کی چمنی میں موجود سیاہی اس کے ناک اور منہ میں گھس گئی تھی جس کی وجہ سے خوفناک آوازیں پیدا ہوئیں۔" میں نے ان کو بتایا۔ "کپڑے بھی کالے ہو گئے۔"

بھوت بھائی! چارپائی پر بیٹھ چکے تھے۔ طارق نے ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھمادیا۔ ایک ساتھ ہی گلاس خالی کر گئے۔ پھر اپنی رام کہانی شروع کی۔

"تمہاری طرح ہم بھی تین ہی تھے۔ فرق صرف اتنا ہے آپ تین بھائی ہیں ہم تین دوست وہ بھی چور تھے اور میں بھی چور۔ چھوٹی چھوٹی چوریوں سے ہمارا دل نہ بھرا تو ہم نے مل کر ڈاکہ مارنے کا پروگرام بنایا۔ میں پڑھا لکھا بھی ہوں۔ تین دوستوں کے لالچ کی کہانی بھی پڑھ رکھی تھی۔ میں نے ان سے لکھوالیا کہ کوئی بھی لالچ کی بنا پر دوسرے کو قتل نہیں کرے گا۔ وہ راضی ہو گئے ہم نے شہر میں ڈاکا ڈالا۔ اور فرار ہو کر برگد کے درخت کے پاس پہنچے۔ یہیں بیٹھ کر رقم تقسیم کرنے کا سوچا۔ میں نے جیب سے رقم نکال کر ان کے سامنے رکھ دی۔ ایک نے رقم اٹھا کر جیب میں ٹھونس لی اور دوسرے نے میری آنکھوں پر کپڑا باندھ دیا اور مجھے لا کر بھٹے کی چمنی میں لٹکا گئے۔ تاکہ نہ میں مروں اور نہ ہی پولیس کے ہتھے آؤں۔ تاکہ وہ دونوں محفوظ رہیں۔ لوہے کی پتری ہاتھ نہ آتی تو اب تک لٹکا رہتا

"آپ نے جرم کیا ہے اس لئے آپ کو تھانے جانا ہو گا۔" میں نے کہانی سننے کے بعد فیصلہ سنایا۔ چور اور سابق بھوت صاحب اس کے لئے پہلے سے تیار تھے، چنانچہ ہم نے گاؤں کے چند بڑوں کو بلایا اور ڈاکو کو ان کے حوالے کر دیا۔ گاؤں والے صبح اسے تھانہ دے آئے۔

اگلے دن ہم ایس پی صاحب کے دفتر میں ان کے کمرے میں موجود تھے اور وہ ہمیں اس خوفناک کارنامے پر مبارک باد دے رہے تھے۔

محمد عادل منہاج کو صدمہ

بچوں کے مقبول ادیب محمد عادل منہاج کے ابو فالج کے حملے کے بعد قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔ ادارہ ان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے والد بزرگوار کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)

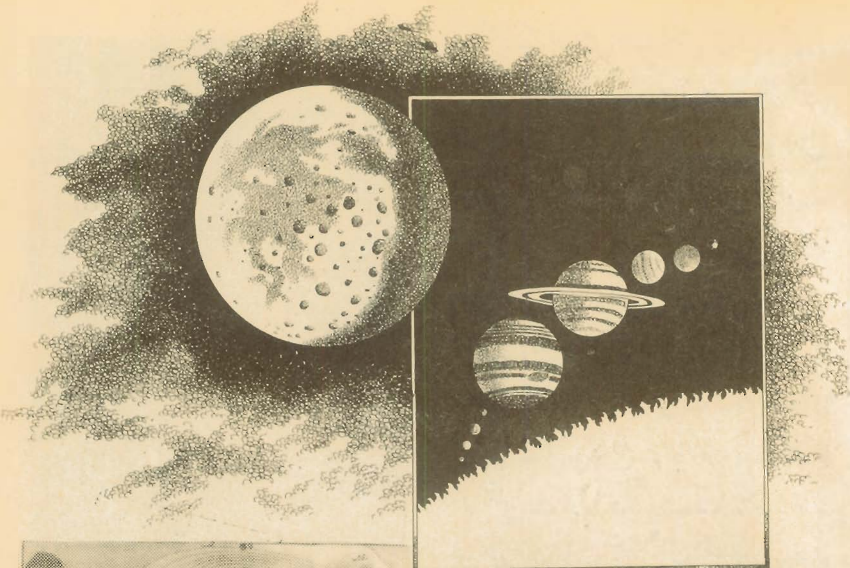

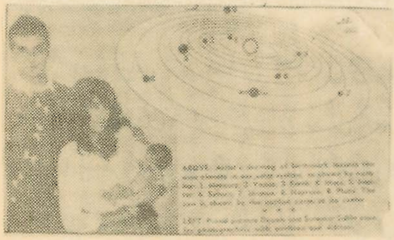

شبنم عمر

شاہکارِ قدرت

دنیا بھر میں ہر روز کہیں نہ کہیں کوئی ایسا واقعہ ضرور رونما ہوتا ہے جو انسان کو دم بخود ہی نہیں کرتا بلکہ اسے مزید تحقیق و جستجو پر مجبور کردیتا ہے۔ ایک ایسا ہی واقعہ شکاگو میں پیش آیا۔ جس نے بڑے بڑے سائنس دانوں کو بھی متحیر کرکے رکھ دیا ہے۔ شکاگو کے ایک ہسپتال میں ۲٦ سالہ خاتون سمر سابین نے ایک انوکھے بچے کو جنم دیا جو بظاہر ایک عام بچے جیسا تھا لیکن اس کی پیدائش ڈاکٹروں اور دوسرے لوگوں کے لئے ایک معمہ بن کر رہ گئی کیونکہ اس کی پیٹھ پر نظامِ شمسی کی مکمل شبیہ یا خاکہ قدرتی طور پر کندہ تھا اور یوں دکھائی دیتا تھا کہ کسی ماہر مصوّر نے یہ لکیریں کھینچی ہوں جس میں یوں نظر آرہا تھا جیسے اجرامِ فلکی سورج کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اس عجیب الخلقت یا اپنی نوعیت کے منفرد پیدا ہونے والے نومولود کے بارے میں رائے کے لئے جب دنیا کے ٦ ماہر ترین ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کو بلوایا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ ہمارے ذہن میں ذرا سا

بھی تصوّر یا خیال نہیں کہ اس معصوم کی پیٹھ پر سورج اور سیّاروں کا عمدہ ترین اور روشن نقشہ کیسے یا کیونکر نمودار ہو سکتا ہے۔ ان ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ہم نے بغور مشاہدہ کیا کہ آخر اس بیسویں صدی کی ترقی یافتہ میڈیکل سائنس کے زمانے میں نہ سمجھ آنے والی کیا چیز دیکھ رہے ہیں جو ایک فریم ورک کے اندر موجود ہے۔ فرانس کے مشہور عالم ڈاکٹر ڈیلوسن کا کہنا ہے کہ میں یہ بات کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ ہماری ناقص عقل سے بھی ماورا کوئی طاقت ہے جس نے یہ شاہکار تخلیق کیا ہے۔ یہ مسحور کن اور ساتھ ہی خوفزدہ کردینے والا عمل ہے۔ کالی مگر روشن آنکھوں والے اس بچے کی ماں نے بتایا کہ ایڈرین کی پیدائش کے بعد میں جب بستر پر ہی دراز تھی تو ڈاکٹروں اور نرسوں کے درمیان ہونے والی کھُسر پُھسر پر چونک اُٹھی کیونکہ ان کی گفتگو قابلِ تشویش تھی۔ میں نے فوراً" کہا اس کو میرے حوالے کرو، جس پر انہوں نے ایڈرین کو مجھے واپس کردیا میں نے اس کی پیٹھ دیکھی اور کہا کہ "آخر یہ مذاق کا کون سا طریقہ ہے؟" انہوں نے جواباً" کہا محترمہ ہمیں افسوس ہے کہ ہم تو خود بھی نہیں جانتے کہ یہ کیا چیز ہے؟ ڈاکٹروں نے مجھے کہا کہ ممکن ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ خاکہ خود بخود مٹ جائے لیکن تعجب انگیز بات یہ ہوئی کہ تین چار ہفتوں کے بعد بھی یہ خاکہ اپنی جگہ بدستور موجود تھا۔ انہیں اس بات کا سراغ ہی نہیں مل رہا تھا کہ آخر یہ ہے کیا چیز؟ جس کے بعد بین الاقوامی شہرت کے حامل ڈاکٹروں کو چار ممالک سے بلوایا گیا تاکہ وہ اس صدی کے سب سے بڑے معمّے کو حل کرنے کی سعی کرسکیں لیکن اس لڑکے نے تو جیسے اس ماہر ٹیم کو بھی مخمصے میں ڈال دیا تھا کیونکہ اس بچے کی پیٹھ پر نظام شمسی کا مکمل خاکہ ایک حقیقت تھا اس کو قدرت کا شاہکار نہ کہا جائے تو اور کیا نام دیا جائے؟؟ ایڈرین کے والدین قدرت کے اس شاہکار لڑکے کی پیدائش پر بہت خوش ہیں۔

آپریشن اِن سان ڈیاگو

شبنم عمر

ڈولی آپریشن ٹیبل پر چت پڑی ہے اور ڈاکٹروں کی ایک ماہر ٹیم بڑی چابکدستی اور مہارت سے اس کا آپریشن کر رہی ہے۔

آپریشن سے پہلے ڈولی کو بے ہوش کرکے ڈاکٹر اس کے پیٹ کے اس حصے کا بغور معائنہ کر رہا ہے جہاں رسولی ہے!

تصویر میں نظر آنے والی مادہ گوریلا "ڈولی" کی یہ تصویر آپریشن کے بعد کی ہے۔ دراصل ڈولی جو ایک بچہ کی ماں بھی ہے، ایک دن اس کے پیٹ میں اچانک شدید درد اٹھا۔ ڈاکٹروں نے فوراً معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ معدے میں کچھ گڑبڑ ہے چنانچہ اس کا آپریشن کیا گیا۔ اس کے معدے سے کافی وزنی رسولی برآمد ہوئی۔ بہرحال آپریشن کے بعد اب ڈولی صحت یاب ہے۔ آپ اس سے ملنا چاہیں تو وائلڈ لائف پارک سان ڈیاگو (کیلیفورنیا) امریکہ جاکر مل سکتے ہیں۔

آپریشن کی کامیابی کے بعد ڈولی مکمل طور پر صحت یاب ہوگئی ہے۔ تصویر کھنچواتے وقت وہ حیرت سے فوٹو گرافر کو دیکھ رہی ہے۔ اس تصویر میں اس کے پیٹ کے ٹھیک ہونے والے ٹانکے اور جس مقام سے پیٹ کاٹا گیا، صاف نظر آرہا ہے۔

محمد شہزاد خان کستوری

کچھوے کے دوست

کچھوؤں کے بچوں کو پیدائش کے فوراً بعد نشانات لگا کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بڑے ہونے تک ان کی حفاظت اور نگہداشت کی جائیگی!

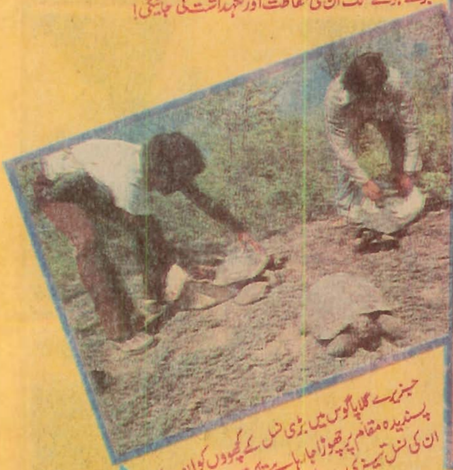

جزیرے گلاپاگوس میں بڑی نسل کے کچھوؤں کو ان کے پسندیدہ مقام پر چھوڑا جا رہا ہے تاکہ قدرتی ماحول میں ان کی نسل تیزی سے بڑھ سکے۔

کہاں گیا وہ خرگوش جس نے مجھ سے ریس لگائی تھی لگتا ہے ہار کے ڈر سے میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہے...

کہتے ہیں کچھوا "ڈائنوسارز" کی آخری یادگار ہے یعنی واحد ڈائنوسار جو اب تک زندہ رہ رہے ہیں۔ یہ خاص قسم کا کچھوا کوئی پچاس برس کا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اس کی درمیانی عمر ہے۔ عموماً کچھوے لمبی عمر پاتے ہیں۔ آج سے چند سال پہلے "گلاپاگوس" نامی امریکی جزیرے میں یہ واحد کچھوا تھا۔ اس نسل کے تمام کچھوے حضرت انسان نے اپنی لذت کام ودہن کے لئے استعمال کر لیے تھے۔ اتفاقاً ایسا ہوا کہ گلاپاگوس ہی کے نزدیک ایک جزیرے میں اس نسل کے چند کچھوے دریافت ہوئے جس پر فیصلہ کیا گیا تھا۔ چند "حیوان دوست" انسانوں نے اپنے طور پر ان کے انڈے حاصل کر کے ان کی حفاظت کی اور ان سے بچے حاصل کر کے ان کے بچوں کی نگہداشت شروع کر دی۔ کچھوے کی نسل کو دوسرا بڑا خطرہ انڈوں کی تباہی کا ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کے انڈے نہ صرف جانور بلکہ انسان خود بہت شوق سے کھاتا ہے۔ لیکن اس کی نسل کو بچانے والے چند نیک دل انسانوں نے اس کے نہ صرف انڈے اپنے انڈے سے تھور بھیلا بچوں سے بچا لئے بلکہ اب یہ کچھوے بڑی تعداد میں جزیرے گلاپاگوس میں ..... مزے سے ہنسی خوشی سیر و گشت کرتے نظر آتے ہیں!!!

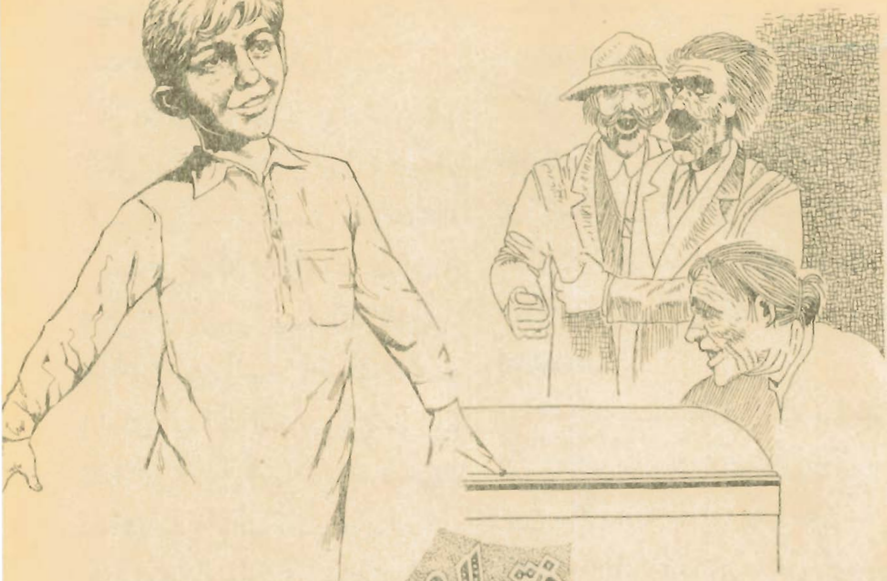

فقیریالوجی

الطاف حسین

آپ گلی کوچے سے گزر رہے ہوں، پارک میں تفریح کر رہے ہوں یا بازار میں خریداری، بس یا ٹرین میں سفر کر رہے ہوں یا رکشہ ٹیکسی یا کار میں سوار سگنل پر ہری بتی کے منتظر ہوں، ایئر پورٹ پر کسی کو رخصت کرنے یا خوش آمدید کہنے کے لئے جائیں، بندرگاہ جانے میں حاجیوں کو الوداع کہنے یا استقبال کرنے کا مقصد کارفرما ہو، آپ کا واسطہ اس "مخلوقِ خدا" سے ایک بار نہیں، بار بار پڑے گا۔ اسٹینگر میزائل کے حملے سے خود کو بچالینا آسان لیکن ان کے حملے سے بچ کر نکلنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔

یہ مختلف بولیوں، آوازوں، لہجوں، سروں، ٹون اور صداؤں سے اپنا "مدعا" بیان کرتے ہوئے آپ کے سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑنا شروع کردیں گے۔ اگر بدقسمتی سے آپ کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے اور آپ سے کچھ دینے کی "غلطی" سرزد ہوجاتی ہے تو پلک جھپکتے میں دوسرا جن کی طرح نازل ہوجائے گا۔ اس کو بھی کچھ دے کر جان چھڑائیں گے تو تیسرا پھر چوتھا پھر پانچواں "بائی نمبر" سے آپ کی جیب ٹٹولے گا۔ آپ

دیتے جائیں اور جان بچاتے جائیں لیکن آخر کب تک؟ ایک وقت ایسا بھی آجائے گا کہ آپ انسانی ہمدردی کے جذبے کی سرشاری میں "کنگال" ہو کر خود کو انہی کی کمیونٹی کا ممبر تصوّر کرنے لگیں گے۔ اگر تنگ دستی کے باعث انکار کردیتے ہیں تب بھی ان کی گرفت سے آپ کی خلاصی ممکن نہیں۔ یہ آپ کے پیچھے "بھیڑ چال" چلنا شروع کردیں گے۔ ذرا تصوّر کیجئے کہ بھرے بازار میں آپ آگے آگے اور پانچ چھ عدد بھیک منگے (جنہیں اگر انکم ٹیکس افسر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا) آپ کا تعاقب کررہے ہوں۔ اور آپ ایڑی سے چوٹی تک شرمندگی کے پسینے میں شرابور صورتِ خورشید اِدھر ڈوب کر اُدھر نکلنے کے چکر میں ہوں اور یہ "ظالم" خود سے زیادہ آپ کو سر بازار رُسوا کرنے کے مشن پر ہوں تو سوچیئے کہ یہ بے بس منظر کس قدر دل خراش ہوگا۔ اگر آپ ان سے کسی طرح بچ نکلتے ہیں تو اگلا گروپ جو پہلے سے آپ کی تاک میں ہے کسی صورت آپ کو معاف نہیں کرے گا۔

اور آپ کو مجبور "لاچار" بے بس اور نہ جانے کیا کیا ہوتے ہوئے عزّتِ نفس کو مزید مجروح ہونے سے بچانے کی خاطر بالاخر انہیں "خراج" ادا کرنا ہی پڑے گا۔ اور یہ "سورما" فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ "بھتہ" وصول کر کے آپ کو باعزّت طور پر "بری" کردیں گے۔

اُردو زبان میں ان کو "بھکاری" عربی میں "مسکین" اور فارسی میں "گدا" کہا جاتا ہے جبکہ پنجابی میں "منگتا" بلوچی میں "پینڈوک" پشتو میں "ملنگ" یا "خیروالا" (یعنی خیرات والا) اور سندھی میں "فقیر" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور انگریزی میں انہیں کہتے ہیں .... (Bagger)

جس تیزی سے مہنگائی میں اضافہ ہورہا ہے اس سے کہیں زیادہ تیزی سے ان کی کمیونٹی کو فروغ حاصل ہورہا ہے اور لوگ مہنگائی کے ہاتھوں کمر تڑوا کر آئے دن جوق در جوق مشرف بہ فقیریت ہورہے ہیں۔ جب سے اس احساسِ کمتری کے شکار طبقہ کے بڑوں بڑوں کو مانگتے دیکھا تو احساسِ برتری کے غرور میں خوشی سے بغلیں بجا کر پھولے نہیں سماتا۔

کمیونٹی منفرد اور اعلیٰ پائے کے ادیبوں اور صاحبِ طرز افسانہ نگاروں میں بھی خاصی خود کفیل ہے۔ جو لکھتے نہیں۔ لیکن ان کی "جگر پھاڑ" کہانیاں اور دل سوز افسانے سینہ بہ سینہ سبھی اشاعت کا سفر طے کرتے ہیں اور لوگوں میں مقبولیت حاصل کر کے اپنی "رائلٹی" وصول کرتے ہیں۔

کمیونٹی ہذا کے بعض ممبرز بہروپ بھرنے

میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ یہ ایسے ایسے قابل رحم گٹ اپ کر کے گھر سے "مشن" پر نکلتے ہیں کہ ان سے آنکھیں چار کرنے والا ہپناٹائز ہو کر خود اپنے ہاتھوں سے اپنی جیب کو "ہوا" لگانے لگتا ہے۔

ایک دن جو آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھائے خود کو اندھا ظاہر کر کے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر سکہ رائج الوقت بمعہ ہمدردی سمیٹتا دکھائی دے گا، دوسرے دن وہی آپ کو گونگے کے روپ میں مسافروں کی جھولیوں میں پیغاماتی کارڈ تقسیم کرتے ہوئے اپنا "حق" وصول کرتا نظر آئے گا۔ اور پھر چند دنوں بعد یہی صاحب دوا کا برسوں پرانا نسخہ اور ایکسرے (جو ان کا اپنا بھی نہیں ہوگا) تھامے لوگوں سے دوا کے نام پر پیسے بٹور رہے ہوں گے۔ اگر منگل کو آپ کسی کی دائیں ٹانگ گم دیکھیں گے تو جمعرات کو اس کی داہنی ٹانگ سلامت لیکن بایاں ہاتھ بازو تک غائب نظر آئے گا۔

ابھی بحری جہاز اور ہوائی جہاز میں انہوں نے اپنی "کاروائی" کا آغاز نہیں کیا لیکن وہ دن دور نہیں جب یہ بذریعہ بورڈنگ کارڈ جہاز میں سوار ہوں گے۔ اور اعلیٰ طبقہ کو خوب زچ اور شرمسار کریں گے۔ ڈیسٹینیشن پر ان کی کمائی ٹکٹ کی رقم کا دو سو فیصد سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوگی۔ آپ اکیسویں صدی میں باعزت قدم رکھنے کی پوزیشن میں نہیں تو نہ سہی لیکن پیش بینی کے عمل سے آنے والے دور کے حالات کا تصور تو کر سکتے ہیں کہ یہ تھرڈ ڈگری حربہ یافتہ جہازوں میں کس کس انداز سے کیسے کیسے طریقوں سے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے روپیہ، ڈالر، پونڈ، فرانک، ریال، دینار، فلس وغیرہ کا تقاضا کریں گے۔

ایک بار ہم نے جرأت کر کے ایک بھکاری سے پوچھ ہی لیا کہ "آپ کیوں مانگتے ہیں؟" تو موصوف نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے جواب دیا "اگر ہم مانگیں نہ تو مجھ سمیت بارہ افراد کی ٹیم کو روزانہ تو لنگر بانٹے گا" اور پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئے "دیکھ بے یہاں سب ہی "منگتے" ہیں۔ ہر کسی کے مانگنے کا اپنا اسٹائل ہے۔ کوئی دوا کے نام پر مانگتا ہے۔ کوئی ٹینڈر کے نام پر تو کوئی بھرتی کے نام پر اپنی کوشش کا "صلہ" مانگتا ہے .... کوئی ٹیکس کوئی کمیشن کوئی فیس کوئی رشوت کوئی قرض مانگتا ہے، کوئی موت تو کوئی زندگی کی بھیک مانگتا ہے۔ جس کا جو دل چاہتا ہے، مانگتا ہے۔ ٹائم برباد نہ کر تیرا جو دل چاہتا ہے تو مانگ اور میرا جو دل چاہتا ہے مجھے مانگنے دے"

اور ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہم اپنے دوست کو فون کرنے کے لئے نمبر ملانے کی کوشش کر رہے تھے کہ آپریٹر کی غلطی سے سلسلہ کہیں اور مل

گیا۔

"ہے لو...... ہے لو...... بیگم ہے لو...... کیسی ہو تم؟"

"اچھی ہو تم سناؤ کاروبار کیسا جارہا ہے؟"

"صبح سے بیٹھا مکھیاں مار رہا ہوں۔ آج کل کاروبار کچھ ٹھنڈا ہے۔ شہر کے حالات خراب ہیں ناں...... لوگ گھروں سے کم نکلتے ہیں۔ جو نکلتے ہیں ان کی حالت اپنے سے بھی پتلی ہوتی ہے۔ جب سے مسجدوں پر فائرنگ شروع ہوئی ہے لوگ ادھر کا رخ بھی ذرا کم کرتے ہیں۔ یوں اسپیشل آمدنی بھی بہت کم ہو کر رہ گئی ہے۔"

"کتنے کمائے؟"

"صرف ایک سو ستر روپے...... مُنّو کالج چلا گیا...... اور جیدو، میدو اور گڈی......"

"وہ بھی اسکول چلے گئے ہیں۔"

"کچھ خرچہ پانی دیا تھا انہیں؟"

"ہاں تینوں کو پانچ پانچ روپے دیئے تھے...... مُنّو بیس روپے مانگ رہا تھا......"

"دے دیئے"

"اور خوش بخت جتنے مانگتے ہیں دے دیا کر میں بھی تو ان کے لئے ہی "مانگتا" ہوں ناں...... ہاں یاد آیا وہ مُنّو کو شام کو چھ بجے بھیج کر واشنگ مشین منگوا لینا...... اور کپڑے وغیرہ دھو لینا کل پکنک پر ہاکس بے چلیں گے۔"

"اچھا!"

اور نہیں تو کیا ہم نہیں جاسکتے بڑے بڑے لوگ سرکاری خرچ پر دوسرے ملک علاج کے بہانے گھومنے جاسکتے ہیں تو ہم "غریب" لوگ اپنے خرچے پر ہاکس بے تک بھی نہیں جاسکتے ...... وہ جیرے ملنگ کی فیملی بھی ساتھ ہوگی خوب مزہ آئے گا۔"

"آتے ہوئے کباب اور تِکّے ضرور لانا"

"ارے ظالم فکر نہ کرلے آؤں گا۔ تیرے ...... کباب اور تِکّے...... تو ایسا کرنا میرے رکشہ ڈرائیور کو ٹھیک سات بجے تک لسبیلہ چوک پر بھیج دینا۔ آج کل "مارا ماری" کچھ زیادہ ہونے لگی ہے زیادہ دیر تک باہر رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے ...... تو بھی دروازے کھڑکیاں بند کر کے بیٹھنا ...... اچھا باقی باتیں گھر آنے پر!"

"خدا حافظ"

ہم ان کی گفتگو سننے کے بعد سوچنے لگے کہ کون کہتا ہے کہ ہمارا ملک غریب ہے۔ ہماری فی کس آمدنی کئی ترقی پذیر ممالک سے کم ہے۔ ہمارے دیس کا ایک ادنیٰ فقیر بھی.... روز کی ہونے والی ایک سو ستر کی آمدنی کو "صرف" کہہ کر گنتا ہے تو پھر یہ دنیا والے ہمارے ملک کو "غربا" میں کیوں شمار کرتے ہیں؟ کیا یہ انصاف ہے؟ آپ ہی بتایئے ناں!!!

ایک آوارہ لڑکے کی داستان

امان اللہ نیّر شوکت

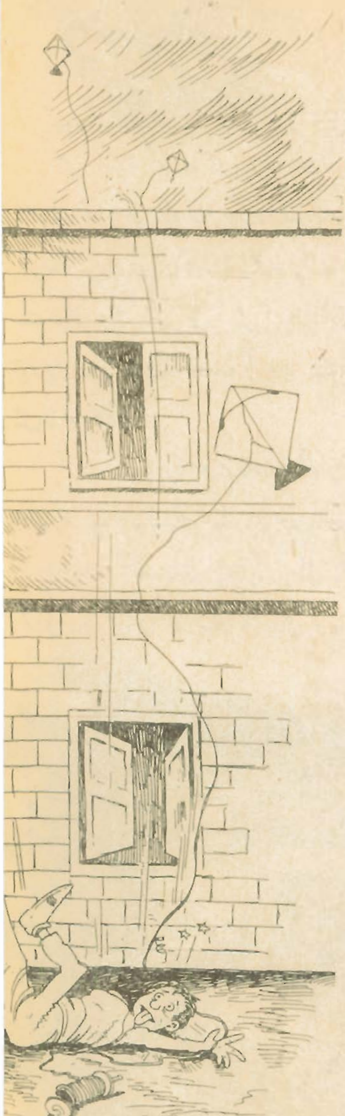

سُن لو اک آوارہ لڑکے کی ذرا تم داستاں
بن گیا جس کے لئے دوزخ نما سارا جہاں
علم کی تحصیل کا دل میں نہ کوئی ذوق تھا
کھیلنے کا ہر گھڑی اس کو بہت ہی شوق تھا
پھرتا رہتا تھا وہ گلیوں میں یونہی شام و سحر
تنگ اس سے آچکے تھے ہر محلّے کے بشر
بس پتنگیں ہی اُڑانا اچھا لگتا تھا اسے
بات یہ سب کو بتانا اچھا لگتا تھا اسے
اس کی ماں نے بارہا اس کو نصیحت کی مگر
وہ نہیں بدلا یونہی چلتا رہا اپنی ڈگر
ایک دن اونچی عمارت پر اُڑائی جو پتنگ
حشر کچھ ایسا ہوا کہ رہ گیا ہر شخص دنگ
بے خودی میں پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گرا
خود بھی اس کو علم نہ تھا وہ بھلا کیسے گرا
بازو ٹُوٹا، ٹانگ ٹُوٹی ہوگیا معذور وہ
ایک پل میں ہوگیا زخموں سے کتنا چُور وہ

ڈرپوک

محمد فاروق منیر

میں اپنے کمرے میں بیٹھا مطالعہ میں مصروف تھا- گھر کے تمام لوگ ایک شادی میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے- رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی- میں اپنے امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے شادی میں نہ جاسکا تھا-

کمرے سے باہر کا موسم خاصا خوشگوار تھا اور بادل چھائے ہوئے تھے- کچھ دیر بعد بادلوں نے گرج چمک کے ساتھ بارش برسانی شروع کردی- بارش کی آمد کے ساتھ ہی لائٹ چلی گئی-

"اف، یہ بجلی کو بھی ابھی جانا تھا" میں بڑبڑایا-

پینسل ٹارچ کچن میں موجود تھی- چنانچہ میں گھپ اندھیرے میں اپنا راستہ ٹٹولتا ہوا کمرے سے باہر ٹی وی لاؤنج میں آیا- ٹی وی لاؤنج کے سامنے ہی ڈرائنگ روم تھا- مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی سایہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف گیا ہے- سنسنی کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی- رات کا وقت تھا اور میں گھر میں اکیلا، ڈرنے کی بات تو تھی- میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ، کر ڈرائنگ روم کی طرف دیکھا لیکن اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا- میں نے اسے اپنا وہم سمجھا اور کچن کی طرف بڑھا- جیسے ہی میں نے دروازہ

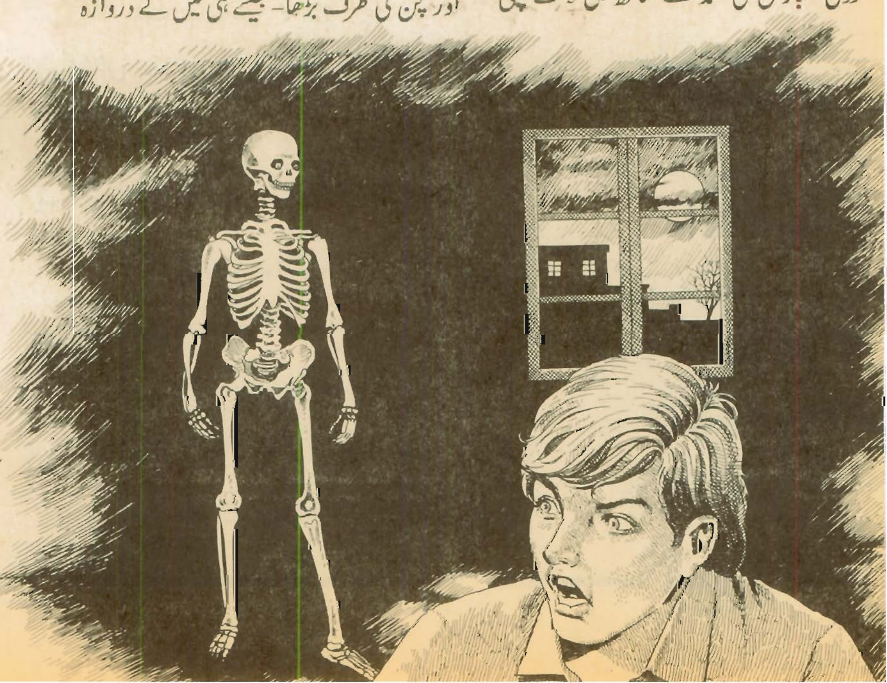

کھولا بادل زور سے گرجا اور کسی چیز نے میرے اوپر چھلانگ لگادی- میں گھبرا کر چاروں شانے چت ہوگیا- کچھ دیر بعد میاؤں میاؤں کی آواز آئی تو میری جان میں جان آئی-

میں نے کچن میں پینسل ٹارچ ڈھونڈی اِس کے ساتھ ہی مجھے ایک موم بتی بھی مل گئی- دونوں چیزیں لے کر میں باہر آیا اور دھک سے رہ گیا ٹارچ اور موم بتی کی مدھم روشنی میں ایک ڈھانچہ تیزی سے میرے ساتھ والے کمرے میں داخل ہوتا نظر آیا- مجھے یوں لگا جیسے زمین نے میرے پاؤں جکڑ لئے ہوں- میری آواز حلق میں اٹک گئی اور دل دھک دھک کرنے لگا-

پھر یہ سوچ کر میرے پسینے چھوٹ گئے کہ ہمارے گھر کے ساتھ ہی ایک قبرستان بھی ہے-

"تو تو کیا یہ ڈھانچہ وہاں سے آیا ہے....... مگر یہ یہاں کیا کررہا ہے.....شاید راستہ بھٹک گیا ہے......"

اس طرح کے ان گنت خیالات مجھے ڈرا رہے تھے- کچھ دیر میں یونہی کھڑا کانپتا رہا- پھر آہستہ آہستہ میں نے اپنے حواس بحال کئے اور اس کمرے کی طرف بڑھا جس میں وہ مجھے داخل ہوتا نظر آیا تھا- میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ شاید یہ میرا وہم ہی ہو لیکن قبرستان بہرحال ہمارے گھر کے ساتھ ہی تھا اور میں نے مُردوں کے بھٹکنے کے متعلق بھی بہت کچھ سُن رکھا تھا-

میں آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہوا ٹارچ میرے ہاتھ میں تھی اور موم بتی میرے ہاتھ سے گر کر بجھ چکی تھی- میں نے ٹارچ کی روشنی پورے کمرے میں گھمائی لیکن مجھے وہ مردہ نما ڈھانچہ کہیں نظر نہ آیا- اچانک میں نے اسٹور کے دروازے کی طرف دیکھا جو اسی کمرے میں کھلتا تھا- میں ڈرتا ڈرتا اسٹور میں داخل ہوا اور ٹارچ کی روشنی میں اسے تلاش کرنے لگا- اچانک وہ مجھے ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی پر بیٹھا نظر آیا- میرے دیکھتے ہی اس نے بھیانک انداز میں ایک قہقہہ لگایا اور یہ کہتا ہوا میری طرف بڑھا "میرے ساتھ چلوگے؟"

ادھر میری روح فنا ہوچکی تھی- میں چلاّتا ہوا باہر کی طرف بھاگا اور اسٹور سے نکلتے ہی باتھ روم میں گھس گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا- مجھے اس کے بھیانک قہقہے بہت قریب سے سنائی دے رہے تھے- اس کے ساتھ ساتھ وہ مجھے اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش بھی کررہا تھا- میں سمجھ چکا تھا کہ وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتا ہے- میں نے دروازہ مضبوطی سے پکڑلیا- اسے لاک میں پہلے ہی کرچکا تھا-

پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز آنی بند ہوگئی-

میں نے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھول کر ٹارچ کمرے میں گھمائی- لیکن وہ کمرے میں نہیں تھا- میں نے سوچا اب وہ کہاں جاسکتا ہے؟ شاید وہ قبرستان واپس چلا گیا ہے؟ یہی سوچتے ہوئے میں باہر نکل آیا- اور ٹی وی لاؤنج میں پہنچا- وہ یہاں موجود نہ تھا- ڈرائنگ روم میں بھی دیکھا اچانک مجھے ابو کے کمرے سے کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دیں- میں اس طرف بڑھا اور دروازے میں کھڑے ہو کر ٹارچ کی روشنی میں کمرے کے اندر جھانکا- وہ ڈھانچہ اندر موجود تھا اور الماریوں میں سے چیزیں نکال نکال کر پھینک رہا تھا- عین اسی وقت گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی- یہ سن کر وہ ڈھانچہ چونکا اور میں سمجھ گیا کہ گھر والے آگئے ہیں- چنانچہ میں باہر کی طرف دوڑا باہر بھی بجلی نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا تھا- میں نے جلدی سے گیٹ کھولا اور گاڑی اندر آگئی- بارش بند ہو چکی تھی- ابو نے گاڑی بند کی اور باہر آگئے- میرے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر انہوں نے پوچھا "تم گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ گھر میں سب ٹھیک تو ہے نا؟" امی اور بہنیں بھی مجھے پریشان دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں-

میں نے انہیں بتایا کہ گھر میں ایک عدد مردہ ڈھانچہ موجود ہے" یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ابا جان بڑبڑائے اور کہنے لگے آؤ چل کر دیکھتے ہیں-

لیکن اس سے پہلے ہی وہ مردہ نما ڈھانچہ باہر آچکا تھا- اسے دیکھتے ہی امی جان اور بہنوں کی چیخیں فضا میں بلند ہوئیں اور ابا جان بھی ٹھٹھک کر رہ گئے- اچانک اس ڈھانچے نے ہماری طرف دوڑ لگادی- ہم بوکھلا کر ادھر ادھر ہو گئے لیکن وہ ابا جان سے الجھ کر گرا- انہوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے آپ کو چھڑا کر نکل بھاگا اور اندھیرے میں کہیں غائب ہو گیا-

"آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟" یہ کہتے ہوئے ہم ان کی طرف بڑھے- "نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ وہ چور ڈھانچہ ہاتھ سے نکل گیا-" ابا جان نے کہا-

"کیا!! چور ڈھانچہ ......تت.....تت تو کیا یہ چور تھا؟"

میں نے ہکلاتے ہوئے پوچھا-

"ہاں! اس نے ایسا لباس پہن رکھا تھا کہ آدمی اندھیرے میں بالکل ڈھانچہ نظر آتا ہے اور یہ اس طرح لوگوں کو ڈرا کر چوریاں کرتا ہے لیکن آج نہیں تو کل یہ ضرور پکڑا جائے گا- کیونکہ چور انسان ہو یا مُردہ نما ڈھانچہ پکڑا ضرور جاتا ہے-"

"بالکل ٹھیک-" ابا جان میں نے کہا-

سب میری طرف دیکھ رہے تھے اور میں یہ سوچ کر تھوڑا شرمندہ ہو رہا تھا کہ ایسے ہی خواہ مخواہ ایک آدمی سے ڈرتا رہا-

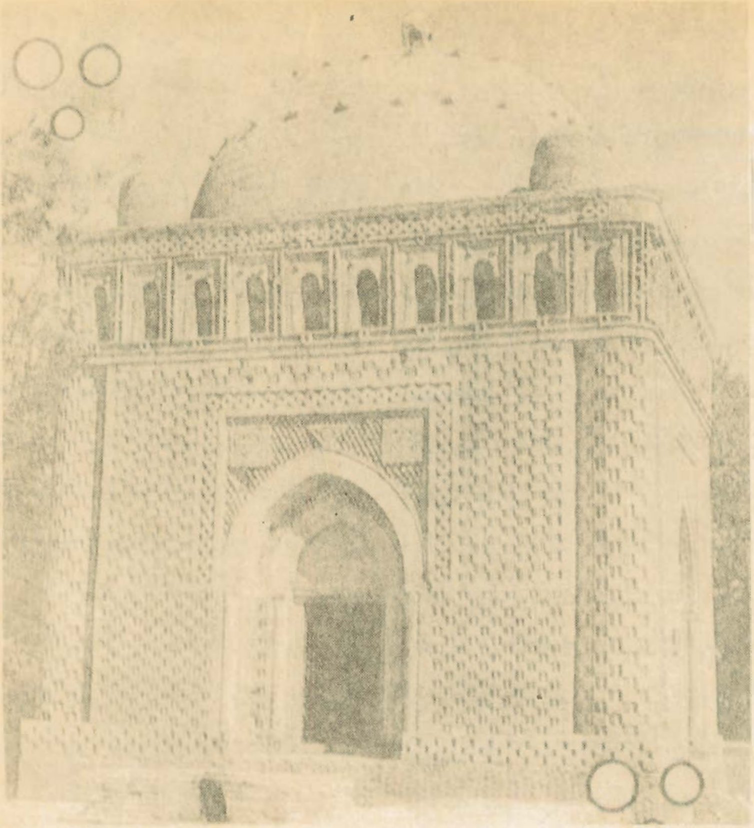

اسمٰعیل احمد بن سامانی کا مقبرہ

بخارا
تاریخی عمارتوں کا شہر

الطاف حسین

اسلامی تاریخ میں بُخارا کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ سوویت مُسلم جمہوریت ازبکستان کا یہ مشہور اور تاریخی شہر کئی صدیوں تک مُسلمانوں کے اہم مذہبی، تعلیمی، ثقافتی، سیاسی اور تجارتی مراکز میں شمار ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسطِ ایشیا میں یہ واحد شہر ہے جس کا مشرقی حُسن ابھی تک قائم و دائم ہے۔

بُخارا کی تاریخ پچیس صدیوں پر محیط ہے۔ ۵۴۳ قبل مسیح میں سلطنت بسخا منش (ایران) کے پانچویں شہنشاہ خورس اعظم (سائرس اعظم) نے اسے اپنی حکومت میں شامل کیا۔ اس دور میں ازبکستان سغدیہ اور بخارا سوگرینا کہلاتا تھا۔ مُسلمان پہلی بار ۶۷۴ء میں خراسان (ایران) کے گورنر عبیداللہ ابن زیاد کی قیادت میں اس شہر پر حملہ آور ہوئے لیکن مضبوط دفاعی حد بندی کی وجہ سے اسے تسخیر نہ کرسکے۔ اس کے بعد سعید بن عثمان نے بخارا کا محاصرہ کیا لیکن بات فقط صلح پر ختم ہوگئی اور پھر ۷۱۰ء میں خراسان کے حاکم قتیبہ بن مسلم باہلی نے موثر حکمت عملی کے تحت اہل بخارا کو شکست فاش دے کر قلعہ پر اسلامی پرچم لہرا دیا اور یوں بخارا سلطنت اسلامیہ بنو امیہ کا حصّہ بن گیا۔ ۷۵۰ء میں خلافت بنو امیہ کے زوال کے نتیجے میں شہرابو العباس السفاح کی قائم کردہ نئی اسلامی سلطنت عباسیہ میں شامل ہوا۔ ۸۶۱ ـ ۸۴۷ء میں ایک ترک خاندان آلِ سامان کے سردار اسمٰعیل بن احمد سامانی نے بخارا میں خود مختار حکومت کی بنیاد ڈالی۔ سامانیوں کے دور میں بخارا کو پہلی بار دارالحکومت بننے کا اعزاز حاصل ہوا اور یہ شہر وسط ایشیا میں اسلام کی نشرو اشاعت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ ۱۰۰۴ء میں آلِ سامان کی حکومت کا خاتمہ ہوتے ہی اس مرکز کی سیاسی اور تجارتی اہمیت بھی آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ بارہویں صدی کے آغاز میں آلِ برہان نے یہاں دینی حکومت قائم کی ۱۱۴۱ء میں آلِ فراختام برسرِ اقتدار آئے........ ۱۲۰۷ء میں منگولیا سے وہ تباہ کن طوفان اُٹھا جسے تاریخ چنگیز خان کے نام سے یاد کرتی ہے۔ چنگیز خان تموچن نے اس شہر پر زبردست لشکر کشی کی اور اسے تباہی کے دھانے تک پہنچادیا۔ جب اہلِ شہر نے کھنڈرات کو رونقوں میں بدلا تو ۱۲۷۳ء میں ایرانی سردار ایل خان آباقا معقول نے بخارا کو پھر اُجاڑ کر رکھ دیا۔ حملے کے کچھ عرصہ بعد شہر کو از سرِنو تعمیر کیا گیا....... لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا..... ۱۳۱۶ء میں ایک بار پھر ایرانی منگول کی ہولناک یلغار نے اس شہر خوش نظیر کی دلکشی چھین لی۔ بالآخر ۱۳۷۰ء میں منگولوں کے بدلا میں قبیلے کے امیر تیمور لنگ گورگانی نے جب بخارا کو اپنی وسیع و عریض سلطنت میں سمویا تو اس پر ترقی کی نئی نئی راہیں کُھلتی چلی گئیں اور یوں اس کا کھویا ہوا سیاسی اور تجارتی وقار پھر بحال ہوگیا اور دُور دُور کے ممالک سے تجارتی قافلے جوق در جوق یہاں آنے لگے۔

۱۵۰۰ء میں ترک النسل صحرا نورد جنگجوؤں نے بخارا کو تسخیر کیا۔ جو ازبیک (موجودہ ازبک) کہلاتے تھے۔ ان کو یہ نام مشہور زمانہ سنہری لشکر

(گولڈن ہورڈز) کے بہارد اور مدبّر جرنیل امیر ازبیک خان کے نام پر دیا گیا تھا جو ۱۳۶۰ء میں خاک نشین ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس لشکر کے سپاہی اس قدر جری اور جنگجو تھے کہ جان ہتھیلی پر رکھ کر مقابلے پر نکلتے تھے۔ ان کی اسی اعلیٰ درجے کی جراَت کے اعتراف میں اہلِ مغرب بھی انہیں "زمین ہلا دینے والے" یعنی "ارتھ شیکرز" کے منفرد نام سے پُکارتے تھے اور ان کی آمد کی خبر سنتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے۔ پندرھویں صدی میں "ازبک" کی اصطلاح اس علاقے کے مُسلمانوں کی شناخت بن گئی۔ ازبکیو ں نے یہاں ۲۴۰ سال تک نہایت شان اور دبدبے سے حکمرانی کی۔ ۱۷۴۰ء میں نادر شاہ افشار نے ان کی حکومت کا خاتمہ کردیا اور یوں بخارا افشاری کی حدود میں شامل ہوگیا۔ ۱۸۸۵ء میں روسی کیمونسٹوں نے روسی ترکستان پر تسلط جمایا اور ایک سوچ سمجھے منصوبہ کے تحت اردگرد کی ریاستوں پر قابض ہونے لگے۔ انقلاب روس کے بعد ۱۹۲۰ء میں بخارا کے آخری مسلمان حکمران سید میر عالم خان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور اس طرح ۱۲۱۵ تک اسلامی حکومتوں کا حصہ رہنے والا یہ عظیم الشّان شہر روسیوں کے جابرانہ قبضے میں چلا گیا اور اس کے باسی مظالم کی چکی میں پسنے لگے۔ تنگ نظر

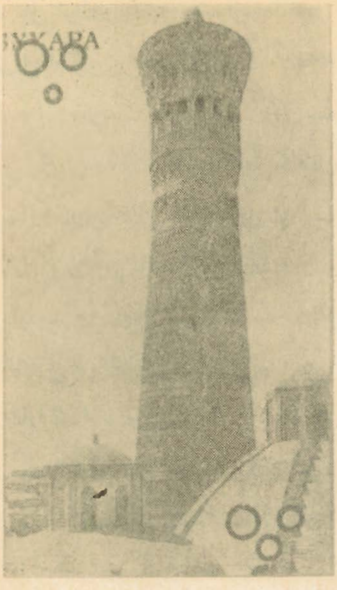

مینارہ کلاں

کیمونسٹوں نے یہاں کے مسلمانوں پر سخت ترین پابندیاں عائد کردیں۔ ان کی مذہبی آزادی کو سلب کرلیا۔ مسجدوں اور دینی درس گاہوں کو سیل کردیا گیا۔ اسلام کا نام لینے والوں پر قیامتوں کے پہاڑ توڑے گئے۔ لیکن حق تو آخر حق ہی تھا۔ جسے جتنی بار سختی سے دبانے کی کوشش کی وہ اتنی ہی بار نئے جوش اور ولولے سے اُبھرتا رہا ...... مُسلمان گھروں میں چُھپ چُھپ کر نمازیں ادا کرتے تھے اور زیرِ زمین قائم کردہ درس گاہوں میں عِلم کی شمعیں فروزاں رہیں ...... اور پھر ۷۰ سالہ حُرّیت پسندانہ جدّوجہد کے دوران دی جانی

والے جانی قربانیوں کا لہو رنگ لایا۔ احتجاجی تحریکوں کی کاوشیں سرخرو ہوئیں اور یکم ستمبر ۱۹۹۱ء کو بخارا و ازبکستان کے بہادر ازبک سپوتوں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑتے ہوئے آزادی کا اعلان کردیا۔ ازبکستان پر اسلام کا عالی شان پرچم لہراتے ہی بخارا کی رونقیں اور رعنائیاں دوبارہ لوٹ آئیں اور یہ شہر ۷۰ سال کے وقفے کے بعد پھر سے اسلام کی نشرواشاعت کا مرکز بن گیا۔

بُخارا جسے ازبک زبان میں بخورا کہا جاتا ہے' سمرقند سے ۲۴۴ کلو میٹر مغرب میں دریائے زر افشاں کے کنارے آباد ہے۔ اسے ازبکستان کا تیسرا بڑا شہر اور صوبہ بخارا کا صدر مقام ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آبادی تقریباً ۲۲ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ جس میں ۸۸ فیصد ازبک ترک مسلمان اور بقیہ ۱۲ فیصد لوگ مختلف اقوام اور مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں بولی جانے والی زبان ازبک کہلاتی ہے جو ترکی زبان سے خاصی ملتی جلتی ہے۔

بُخارا اپنی قدیم اور تاریخی یادگاروں کی وجہ سے پورے وسط ایشیا میں "تاریخی عمارتوں کا شہر" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں عہدِ رفتہ کی تقریباً ۵۰۰ قابل قدر یادگاریں ہیں جو دنیا کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں۔ ان ثقافتی علامتوں میں سب سے زیادہ شہرت اسمٰعیل بن احمد سامانی کے مقبرے کو حاصل ہے۔ یہ عظیم الشان مقبرہ جسے "مشرقی فن تعمیر کا ہیرا" کہا جاتا ہے' سادہ اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ ایک مخصوص تکنیک سے لگائے جانے کے باعث دیکھنے والے کو ان اینٹوں کا ڈیزائن سورج اور چاند کی روشنی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ طرزِ تعمیر کی یہی وہ حیران کُن خوبی ہے جس نے مقبرۂ اسمٰعیل کو دنیا کی ایک منفرد اور لاثانی عمارت بنادیا ہے۔

"مینارہ کلاں" کو وسطِ ایشیا کا سب سے بُلند مینار ہونے کا اعزاز حاصل ہے یہ مینار آپ کو شہر کے ہر مقام سے واضح طور پر دکھائی دے گا۔ ۴۶.۵ میٹر بلند یہ مینار ۱۱۲۷ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی سیڑھیوں کی تعداد ۱۰۵ ہے۔ ابتدا میں اسے اذان دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن اب دوسرے مقاصد کے لئے استعمال ہونے لگا۔ مثلاً اس کے ذریعے بیرونی دشمن کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ تجارتی قافلوں کی راہنمائی کے لئے لائٹ ہاؤس کا کام دیتا ہے۔ شہریوں کو اہم اطلاعات دینے کے علاوہ ٹیکس نہ دینے والے اور سنگین جرائم میں سزائے موت پانے والے خطرناک مجرموں کو بھی اسی مینار سے بغیر سیڑھیوں کے نیچے اُتار کر "پورا" کردیا جاتا تھا۔

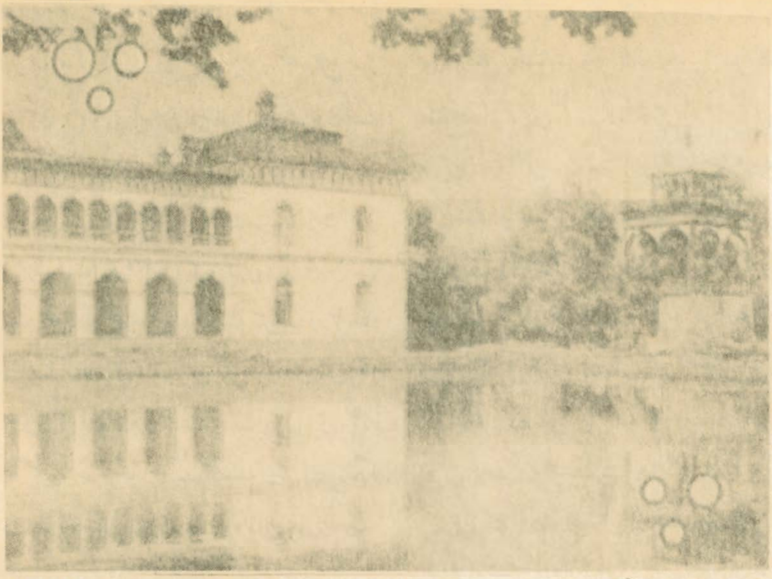

امیرِ بُخارا کے محل کے عین سامنے خوب صورت سوئمنگ پول کا ایک منظر۔

مینارہ کلاں کے نزدیک میں قابل احترام "مسجد کلاں" واقع ہے۔ ۱۰۰۰۰ نمازیوں کی گنجائش رکھنے والی یہ قدیم ترین مسجد وسط ایشیا کی دوسری سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس بابرکت عبادت گاہ کی اہم خاصیت یہ ہے کہ اس کے گنبدوں کی تعداد ۲۸۸ ہے اور پوری مسجد ۲۰۸ ستونوں پر تعمیر کی گئی ہے اور اس کے دروازوں کی تعداد ۷ ہے۔

کثیر العمارتی "قلعہ میر عالم خان" کا شمار بھی بُخارا کی تاریخی یادگاروں میں ہوتا ہے۔ اس کی اکثر عمارتیں اور تہہ خانے آج بھی اچھی حالت میں موجود ہیں لیکن دیوان عام جہاں امیرِ بُخارا کا دربار لگا کرتا تھا، کھنڈرات کا روپ دھار چکا ہے۔ قلعہ کے ایک حصہ میں چھوٹا سا عجائب گھر بھی بنایا گیا ہے جس میں زیادہ تر مقامی دست کاری کے دلکش نمونے رکھے گئے ہیں اور ایک گوشے میں قرآن پاک کے قدیم قلمی نسخے محفوظ کیے گئے ہیں۔

قلعہ کے قریب یہاں کا سب سے بڑا دینی مدرسہ "کو کلتاش" واقع ہے۔ جو ۱۵۷۸ء میں قائم کیا گیا تھا۔ دوسری بڑی دینی درس گاہ "مدرسہ عبدالعزیز" ہے۔ ۱۶۵۲ء میں بنائی جانے والی اس

اسلامی فنِ تعمیر کی شاہکار عمارت میں موسمِ سرما اور موسمِ گرما کے لئے علیحدہ علیحدہ مخصوص طرز کی مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں سے کچھ اور آگے بڑھیں تو ایک اور مشہور مدرسے کی خوبصورت عمارت آپ کا استقبال کرتی ہے۔ یہ مدرسۂ امیر العرب ہے! جو ۱۵۳۰ء میں درس و تدریس کے لئے کھولا گیا تھا۔ ایک زمانے میں یہ درس گاہ دنیائے اسلام کی اہم ترین علمی اداروں میں شمار ہوتی تھی اور دور دور سے لوگ یہاں دینی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ مدرسۂ امیرِ بُخارا مدرسۂ امیر محمد بٹ اور مدرسہ دیوان نادر بیگسی بخارا کے دیگر اہم علمی مدرسے تسلیم کئے جاتے ہیں۔

دینی مدرسوں کے علاوہ یہاں کافی تعداد میں اسکول کالج اور ٹیکنیکل ادارے بھی کام کر رہے ہیں۔ "اسٹیٹ یونیورسٹی" ازبکستان کی بڑی یونیورسٹیوں میں شمار ہوتی ہے۔ یونیورسٹی کے مرکزی دروازے کے باہر آپ کو ازبکستان کے عالمی شہرت یافتہ مشاہیر رودکی، ابن سینا، ابوریحان البیرونی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، حمزہ، صدرالدین عینی اور قومی شاعر علی شیر نوائی کے باوقار مجسمے رکھے نظر آئیں گے۔ یہ اس مردم خیز خطہ کے وہ عظیم مردِ دانا ہیں جنھوں نے تاریخ انسانی کو نت نئے حیران کُن روپ اور انداز دے کر دُنیا سے اپنی بے مثال صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔

اب ہم آپ کو لئے چلتے ہیں بُخارا کے ایک اور تاریخی و ثقافتی ورثہ کی طرف........ اس کا نام ہے ماہ و انجم محل !!...... کہتے ہیں کہ اس محل کی تزئین و آرائش کے لئے امیرِ بخارا سید میر عالم خان نے دنیا کے کئی ممالک سے مختلف اقسام کی انتہائی بیش قیمت اشیا منگوائی تھیں اور محل کے دیدہ زیب رنگوں اور جاذب نقش و نگار کو پختہ اور دیرپا رکھنے کی غرض سے ان میں خصوصی طور پر اونٹنی کا دودھ ملایا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ رنگ پھیکے نہیں پڑے اور نہ ہی محل کی چمک دمک میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع ہوئی ہے۔ مسجد بالا حوض اور چہار مینار کی دلچسپ عمارت بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ شہر سے چند کلو میٹر کے فاصلہ پر سلسلہ نقشبندیہ کے بانی بزرگ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ مزار کے دروازے پر آپؒ کا مشہور و معروف قول "دل بہ یار...... دست بہ کار!" جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اللہ کی یاد کو دل پر نقش کرلو...... اور ہاتھ انسانی بھلائی کے کاموں میں مصروف رکھو۔"

آپؒ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی عارفہؒ کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔ مزار کے اردگرد آپؒ کی چلہ گاہ، مسجد اور ایک بڑا قبرستان ہے۔

حدیث کی معتبر کتاب "بخاری شریف" کے

مرتب حضرت محمد ابو عبداللہ بن اسمٰعیل بخاریؒ بھی ۱۳ شوال ۱۹۴ ہجری کو بُخارا میں پیدا ہوئے تھے۔

"افشانہ" کا تاریخی گاؤں بُخارا شہر سے صرف دو کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ اسی گاؤں میں اگست ۹۸۰ء میں اسلام کے نامور فرزند طبیب و فلسفی جناب حسین بو علی ابن سینا پیدا ہوئے تھے۔

القانون فی الطب، الشفا اور المسان آپ کی وہ مشہور کتابیں ہیں جو صدیوں تک نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں بھی پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ آپ کے علمی و عملی کارناموں کے اعتراف میں اہلِ مغرب آپ کو فلسفہ کا امام تسلیم کرتے ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں یہاں "ابن سینا میوزیم" قائم کیا گیا۔ جس میں آپ کا خوبصورت مجسّمہ، شاگردوں کی تصاویر، آپ کے زیرِ استعمال رہنے والے قدیم آلاتِ جراحی، دیگر بہت سی نادر و نایاب اشیا کے علاوہ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں اور آپ کے دماغ کی تصویر بھی نمائش کے لئے رکھی گئی ہے۔

یہ تو صرف چند یادگاروں کا تذکرہ تھا۔ ان کے علاوہ مزید سینکڑوں یادگاریں یہاں آنے والی قابل قدر نگاہوں کے حسن نظر کی منتظر ہیں۔

صنعت و تجارت اور زراعت کے شعبوں میں یہ شہر دل نوا تیزی سے ترقی کی جانب گامزن ہے۔ یہاں کپاس صاف کرنے کے متعدد کارخانے کام کر رہے ہیں۔ ریشمی کپڑا، قالین سازی، سونے اور ریشم کی دستکاری دوسری اہم صنعتیں ہیں۔ جفاکش ازبک گھروں میں رنگ برنگے نقش ونگار والی صراحیاں، قراقلی ٹوپیاں، سونے کے زیورات اور بہت سی دوسری دیدہ زیب چیزیں بناتے ہیں۔ چاول اور کپاس یہاں کاشت کی جانے والی اہم زرعی اجناس ہیں۔ پھلوں میں آلو بُخارا، سیب، انگور، خربوزہ اور ناشپاتی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

بُخارا کے بازاروں میں آپ کو قدیم اور جدید فنِ تعمیر کا حسین امتزاج دکھائی دے گا۔ پرانی طرز کے بازار بڑی بڑی گنبددار عمارتوں میں قائم کئے گئے ہیں۔ ہر چیز کا بازار علیحدہ بنایا گیا ہے۔ ایک بازار صرف ازبکستان کی قراقلی ٹوپیوں کے لئے مخصوص ہے جہاں آپ کو مختلف رنگوں اور ڈیزائنوں کی ایک سے بڑھ کر...... دِل پذیر قراقلی نظر آئے گی اور یقیناً" آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا قدرے مشکل ہوجائے گا کہ کسے خریدیں اور کسے چھوڑیں!!

چھوٹی بچیاں... بڑے کارنامے

محمد واصل منہاج

یہ دونوں خوبصورت تصاویر کسی ماہر فوٹو گرافر کی نہیں۔ نہ ہی یہ کسی اسٹوڈیو میں کھینچی گئی ہیں بلکہ ان تصاویر کو ماہرانہ تیکنیک سے کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کیا.... ہے دو چھوٹی چھوٹی بچّیوں نے جنہیں ۱۹۹۴ء کے فوٹو گرافی کے مقابلے میں گرینڈ پرائز سے نوازا گیا۔ ان بچّیوں کے نام ہیں سارہ براؤن اور نکولی نیل۔ سارہ گیارہ سال کی ہے اور نکولی کی عمر ہے پندرہ سال۔

فوٹو گرافی کے اس مقابلے کا اہتمام "نیشنل جغرافک سوسائٹی" نے کیا تھا اور اس مقابلے کے جج تھے سوسائٹی کے صدر مسٹر گلبرٹ جو ایک ماہر پیشہ ور فوٹو گرافر بھی ہیں انہوں نے بہت ساری تصاویر کے بیچ ان دو تصویروں کو انعام کا حق دار قرار دیا۔

گیارہ سالہ سارہ براؤن نے اپنے پالتو کتّے "ڈکسٹر" کی تصویر اس وقت کھینچی جب وہ باہر جانے کے لئے گیٹ کے سوراخ سے باہر جھانک رہا تھا جبکہ ڈولفن کی تصویر نکولی نیل نے اس وقت کھینچی جب کرتب دکھانے والی ڈولفن کرتب دکھاتے دکھاتے پانی کے اندر چلی گئی تھی۔ نکولی اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی اور جیسے ہی ڈولفن پانی سے باہر آنے والی تھی نکولی نے کھٹ سے کیمرے کا شٹر دبادیا۔ ڈولفن کی یہ تصویر اتنی خوبصورت آئی ہے کہ لگتا ہے جیسے اسے کسی طاقتور کیمرے سے پانی کے اندر جاکر کھینچا گیا ہے۔

اپنے کام سے محبّت، محنت اور لگن نہ صرف انسان کو انعام دلواتی ہے بلکہ شہرت کی بلندیوں پر لے جاتی ہے!!

اسے باہر نکالنے کے لیے سوراخ تھوڑا سا
اور بڑا کرنا ہوگا۔ (سارہ براؤن)

جونہی وہ میری طرف مڑی میں نے اس
کی تصویر کھینچ لی۔ (نکول نیل)

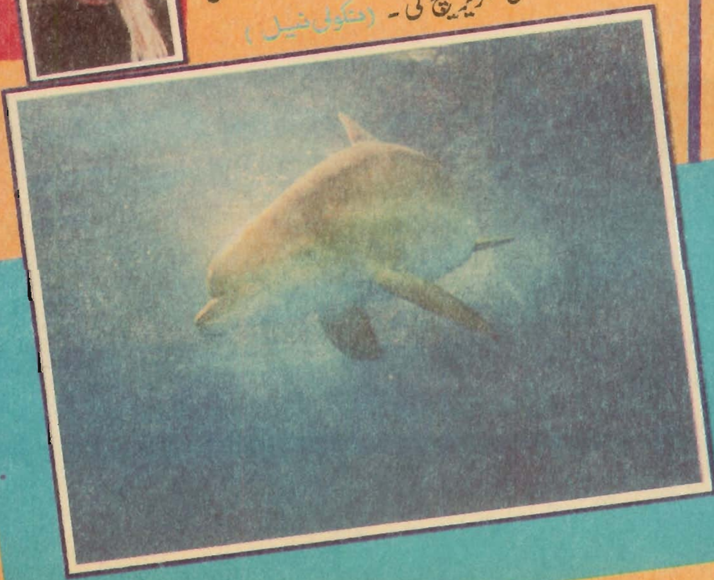

دنیا کا سب سے بڑا جانور

نگہت آرا چوہان

زمانۂ قبلِ تاریخ میں زمین اور سمندروں میں آج کی نسبت بہت بڑے بڑے جانور رہتے تھے لیکن یہ سب وقت کے ہاتھوں معدوم ہو چکے ہیں۔ فی الحال دُنیا میں موجود سب سے بڑا جانور نیلی وہیل ہے۔ یہ تیس میٹر سے بھی زیادہ لمبی اور ۱۲۵ ٹن وزنی ہو سکتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہیل کی ایک تہائی سے زیادہ لمبائی اس کے سر کی ہوتی ہے۔

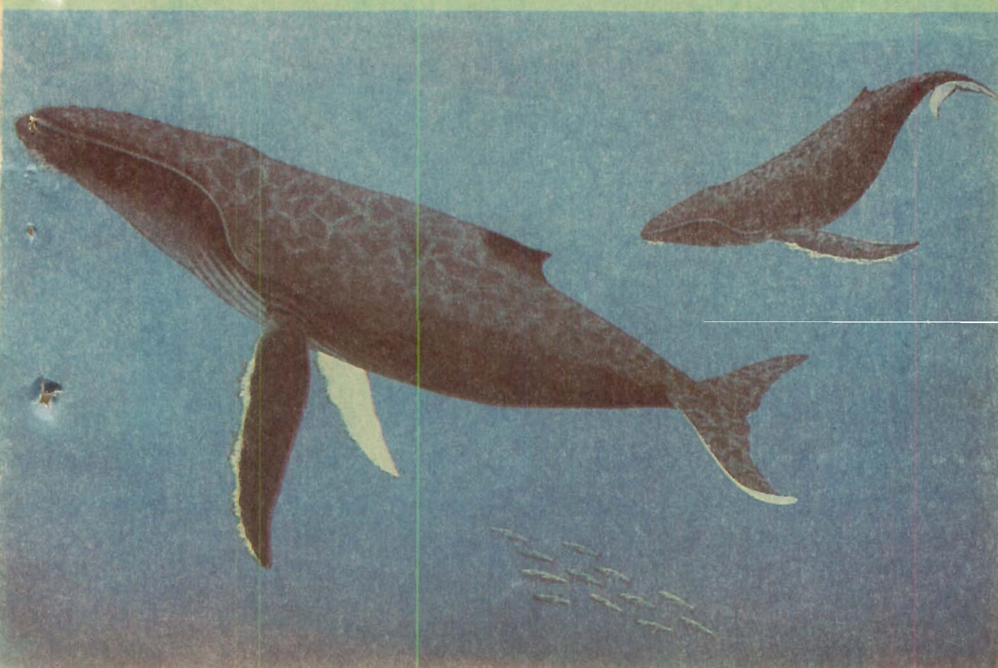

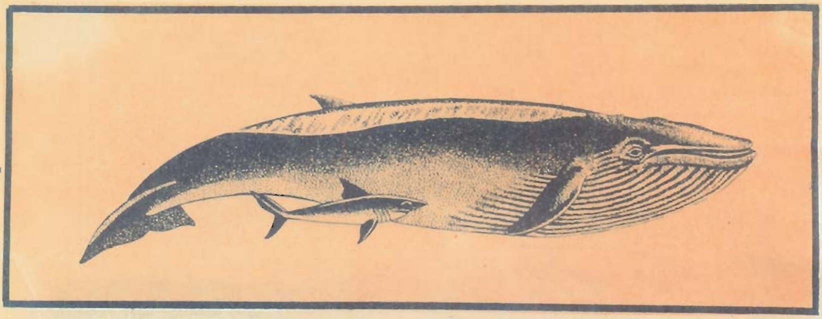

وہیل کے متعلق اس کے سائز سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ مچھلی نہیں بلکہ دودھ پلانے والا جانور ہے۔ دوسرے ممالیہ جانوروں مثلاً ڈولفن کی طرح وہیل کے آباؤ اجداد بھی پہلے خشکی پر رہتے تھے۔ اس کا ثبوت ان کے جسمانی ڈھانچے سے ملتا ہے۔ پیڈل کی مانند ان کے پنکھوں کی کھال اور گوشت پانچ انگلیوں والے ہاتھ کی ہڈی پر چڑھا ہوتا ہے۔ بعض وہیل کی پچھلی ٹانگوں میں ہڈیاں بھی

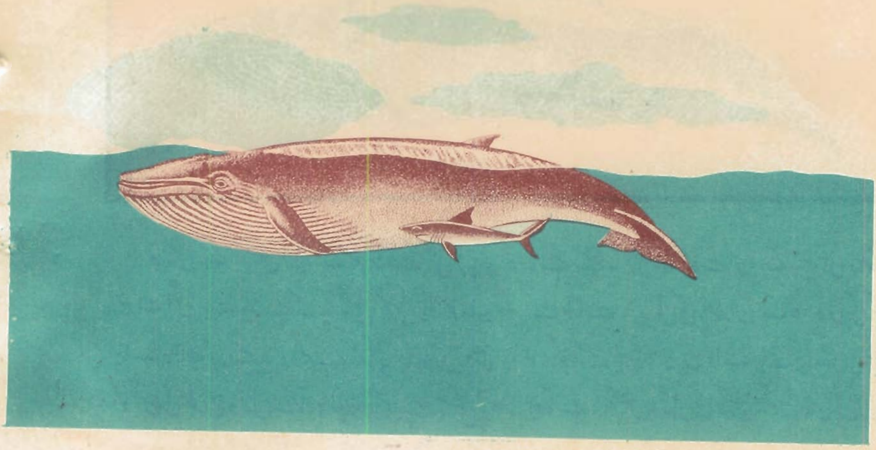

ہوتی ہیں جو، ان کے گوشت میں پیوست ہوتی ہیں۔

چونکہ وہیل دودھ پلانے والا جانور ہے اس لئے اس کا بچہ دوسرے دودھ پلانے والے جانوروں کی طرح اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے۔ یہ بچہ انڈوں سے نہیں نکلتا بلکہ زندہ پیدا ہوتا ہے اور پیدائش کے بعد بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی رہتا ہے۔

وہیل کے گلپھڑے نہیں ہوتے۔ وہ اپنے پھیپھڑوں کے ذریعے سانس لیتی ہے۔ اس کی دُم اُفقی یا پنکھ نُما ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ سانس لینے کے لئے آسانی سے پانی کی سطح پر آجاتی ہے۔ وہیل کے اندرونی اعضا، ڈھانچہ، دورانِ خون کا نظام اور ذہن دوسری مچھلیوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ جب وہیل بڑی ہو جاتی ہے اور اپنے آپ کو پانی میں زندگی گزارنے کا عادی بنا لیتی ہے تو اس میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں ان میں سے ایک تبدیلی بلبر BLUBER یا روغنی تھیلوں کی ہے۔ دودھ پلانے والے جانور گرم خون کے حامل ہوتے ہیں اور ان کے لئے یہ بہت ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے جسم کے درجۂ حرارت کو ایک حد تک محدود رکھیں۔ وہیل کی جلد کے نیچے ریشہ دار ٹشوز ہوتے ہیں جن میں تیل بھرا ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے وہ اپنے جسم کا درجۂ حرارت برقرار رکھتی ہے۔ بڑی وہیل میں بلبر BLUBER کی تہہ ۳۵ سے ۵۵ سنٹی میٹر، موٹی بھی ہوتی ہے۔

دوا والا

فرحات خان

"پروفیسر آدم کسی خبطی بڈھے سے کم نہیں تھا۔ کم از کم مجھے اس بات کا اندازہ بہت بعد میں ہوا۔ میں تو اس کے ساتھ چل کر پچھتایا" میں نے ایڈورڈ سے کہا۔

"تو تم کیا سوچ کر اس کے ساتھ ہوئے تھے؟"

ایڈورڈ نے پوچھا۔

"میں نے سوچا تھا اس طرح مہم جوئی ہو جائے گی۔ شکار بھی ہو گا۔ جنگل میں رہنے کا تجربہ بھی ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا یہ سب نہیں ہوا؟"

میں نے اسے بتایا "ہم کل چار تھے۔ پروفیسر آد
اس کا وفادار سیاہ فام ملازم جوہو' ہمارا گائیڈ جوزف
اور میں جو کہ ایک مقامی ڈاکٹر ہوں۔

ان دنوں امیزن کے جنگلات میں ایک خوفناک بیماری پھیلی ہوئی تھی جو بہت خطرناک تھی۔ کم از کم مقامی قبائلیوں کے لئے کیونکہ ا

کے پاس اس کا علاج نہیں تھا۔"

"کس طرح کی بیماری؟" ایڈورڈ نے پوچھا۔

"پہلے بخار چڑھتا' پھر اُلٹیاں ہوتیں آخر میں جسم پر دانے نکل آتے اور پھر مریض سسک سسک کر مرجاتا۔" میں نے جواب دیا۔

"اور کیا پروفیسر اسی کے علاج کے لئے نکلا تھا؟"

"ہاں" میں بولا "اس کا کہنا تھا میں مقامی افراد کے خون کی جانچ کروں گا' ان کا علاج کروں گا اور انہیں موذی بیماری کے شکنجے سے نکالوں گا۔ وہ مجھ سے ملا' میں مقامی ڈاکٹر تھا۔ میں نے کہا کہ اس طرح جنگل میں جانا ٹھیک نہیں۔ قبائلی وحشی ہیں۔ وہ اپنے علاوہ کسی کو برداشت نہیں کرتے۔ خبر ہے کہ ان گھنے جنگلات میں آدم خور بھی ہیں مگر وہ بضد رہا۔ چنانچہ ہم ایمیزن کے ان گھنے جنگلات میں داخل ہوئے۔ وہ بہت بھیانک تجربہ تھا۔ ٹہنیوں پر سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ جنگلات اتنے گھنے تھے کہ ان میں سے سورج کی روشنی کا آنا مشکل ہو رہا تھا۔ تنوں پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ جن کا شکار کرنے کے لئے مکڑیاں تاک لگائے بیٹھی تھیں۔"

"ٹرنٹولا بھی ہوگی وہاں۔" ایڈورڈ نے قیاس کیا۔

"ہاں یہ بہت ہی خطرناک مکڑی ہوتی ہے۔ تمہارے ہاتھ کی ہتھیلی کے برابر ہوگی اور بہت زہریلی ہوتی ہے۔" میں نے کہا اور مزید بولا : "مگر پروفیسر کو وہاں بہت مزہ آرہا تھا۔ اس کا ملازم بھی خوش تھا۔ اور گائیڈ بھی۔ اس کو پیسے جو مل رہے تھے مگر میں جنگل میں آکر پچھتا رہا تھا۔ رات کو جب ہم خیمہ لگا کر سوتے تو مچھر ناک میں دم کرتے رہتے۔ اوپر سے بھیڑیوں کا ڈر تھا۔ دن کو کندھے پر سارا سامان لادے ایک ہاتھ میں چُھرا لئے ہوتے جس سے راہ میں آتی ٹہنیوں کو کاٹتے اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی ہوتی جس کی مدد سے جنگل کی ناہموار زمین پر چلتے۔"

"اور یہ سفر کب ختم ہوا؟" ایڈورڈ نے پوچھا۔

"جب ایک دن قبائلیوں نے اچانک حملہ کردیا۔ انہوں نے چاروں طرف سے ہمیں اچانک گھیرا۔ اس وقت ہم آرام کررہے تھے۔ اور ہمارا گائیڈ نہر میں نہا رہا تھا۔ وہ سب مقامی تھے۔ جنہوں نے درختوں کے پتے اور گھاس اپنے جسموں پر لپیٹ رکھے تھے۔ اپنے جسموں اور چہروں پر سفید نشان بنا رکھے تھے۔ گلے میں کئی کئی ہار پہنے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں نیزے پکڑے بے تکی آوازیں نکال رہے تھے۔ وہ ہم چاروں کو اپنے قبیلے میں لے گئے جو کہ پتوں اور جھاڑیوں سے بنی جھونپڑیوں پر مشتمل تھا۔ ایک طرف ایک بڑی سی دیگ پک رہی تھی۔

"اب یہ ہمیں اس دیگ میں ڈال کر پکائیں

گے۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔ کسی نے کوئی تبصرہ نہ کیا۔ ایک طرف چند افراد بیٹھے کھالوں سے بنے ڈھول بجارہے تھے اور ان سب کا سردار چبوترے پر بیٹھا مزے سے سُن رہا تھا۔

''کون ہو تم لوگ؟'' سردار نے مقامی زبان میں پوچھا۔ ہمارا گائیڈ یہ زبان جانتا تھا لہٰذا اس نے ترجمہ کیا۔

''میں پروفیسر آدم ہوں اور یہ میرے ساتھی ہیں اور ہم اس موذی مرض کا علاج کرنے آئے ہیں جو کہ مقامی لوگوں میں پھیل رہا ہے۔'' پروفیسر نے سردار کو جواب دیا۔

''بہت خوب! تو تم ہمارے لئے کیا کرسکتے ہو' ہمارے قبیلے میں کوئی ایک درجن مریض اس بیماری کا شکار ہیں۔'' سردار نے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم ان کا علاج کرتے ہیں تم ہمیں مریض دکھاؤ۔'' پروفیسر نے کہا اور اس طرح ہم نے وہاں مریضوں کا علاج شروع کیا۔ پروفیسر نے انہیں بہت سی دوائیں دیں جن سے مکمل فائدہ تو نہ ہوا البتہ مرض کافی حد تک ٹھیک ہوگیا۔

''تو پھر تم چاروں نے صرف اسی قبیلے کا ہی علاج کیا؟'' ایڈورڈ نے پوچھا۔

''نہیں ہم وہاں کوئی دو ہفتے ٹھہرے۔'' میں نے جواب دیا ''اور پھر آگے روانہ ہوگئے ہم نے خون کے نمونے جمع کرلئے تھے آگے ہم دو اور قبیلوں میں رُکے اور وہاں مریضوں کا علاج کیا۔ ہمیں اندازہ ہوا کہ قبائلی بہت زیادہ وہمی تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بیماری کسی شیطانی بلا کی وجہ سے آئی ہے۔ پروفیسر نے انہیں بتایا کہ ایسا نہیں ہے اگر وہ حفظان صحت کے اصولوں پر اپنی زندگی گزاریں تو بیماریوں سے دور رہ سکتے ہیں۔

''تو کیا انہوں نے اس پر عمل کیا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' میں بولا ''ہمارا کام تو صرف نصیحت کرنا ہوتا۔ ہم دوا تجویز کرتے' پرہیز بتاتے' نصیحتیں کرتے اور آگے بڑھ جاتے۔ سچ پوچھو تو اب میں بھی اس کام میں دلچسپی لے رہا تھا۔ کسی مریض کو دوبارہ زندگی دے کر جو خوشی ہوتی ہے اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مگر جب ایک رات ہم ویران جنگل میں سورہے تھے تو آدم خوروں نے حملہ کردیا' پروفیسر کا ملازم جوہو بندوق لے کر خیمے سے نکلا اور نکلتے ہی ایک تیر اس کی گردن میں گھس گیا۔ وہ مارا گیا۔ ہم تینوں خیمے کے پیچھے سے نکل بھاگے۔

ہم اندھیرے میں بھاگ رہے تھے۔ ٹہنیوں کو توڑتے' پتوں کو روندتے اور قبائلی ہمارے پیچھے تھے۔ اچانک ایک تیر کہیں سے آیا اور پروفیسر کی ٹانگ میں پیوست ہوگیا۔ پروفیسر وہیں گرگیا۔ ہم چاروں طرف سے قبائلیوں میں گھر

ے تھے۔ صبح انہوں نے ہمیں اپنے سردار کے منے پیش کیا۔ سارا قبیلہ ہمارے اطراف جمع ۔ پروفیسر کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ تاہم خم گہرا تھا۔ سردار نے کہا "تم ہمارے علاقے کی سوسی کرتے پھر رہے ہو۔ تم لوگ ہماری قوم کو ہ و برباد کرنا چاہتے ہو۔ ہم تمہیں ہلاک کردیں ے۔ بعد ازاں تمہارا گوشت مزے لے کر ھائیں گے۔"

"نہیں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ہم تم لوگوں ے علاج کے لئے آئے ہیں۔ میرے پاس خون ے وہ نمونے موجود ہیں جو میں نے مختلف قبیلوں ے جمع کئے ہیں اور ان کا لیبارٹری تک پہنچنا اشد روری ہے۔ اسی طرح مرض کی تشخیص ہو سکے ں۔"

"تم جھوٹ بکتے ہوئے۔" سردار نے کہا۔ نہیں لے جاکر بند کردو صبح پکا کر کھائیں گے۔" ت کو ہمیں ایک جھونپڑی میں رکھا گیا۔ پروفیسر ے مجھ سے اور گائیڈ سے کہا "تم لوگ خون کے ونے لے کر بھاگ جاؤ۔ میں زخمی ہوں۔ بھاگ ں سکتا۔ تم لوگ جاؤ۔" مگر میں نہ مانا لیکن فیسر بضد تھا۔ وہ قبائلیوں کا علاج کرنا چاہتا تھا۔ ں قبائلیوں کا جو اسے اگلے روز پکا کر کھانے لے تھے۔ آخر کار ہم نے جھونپڑی کے پچھلے ے میں سوراخ کیا اور ہم دونوں جیسے ہی نکلے ہم پر تیروں کی برسات شروع ہو گئی مگر ہم اندھیرے جنگل میں بھاگ نکلے۔ ہم تین دن اور تین رات تک جنگل میں بھوکے پیاسے بھٹکتے رہے اوپر سے یہ ڈر تھا کہ کب قبائلی حملہ کردیں۔ پھر یہ فکر کہ نہ جانے پروفیسر کا کیا حال ہوا ہو۔ آخر کار ہم جنگل سے باہر نکل آئے۔"

"اور پروفیسر کا کیا ہوا؟ کیا وہ مارے گئے؟" ایڈورڈ نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔" میں نے کہا "طبی امداد ملنے کے بعد میں نے مقامی حکام سے رابطہ کیا اور گزارش کی کہ میری رہنمائی میں قبیلے تک پہنچیں۔ کیا پتا پروفیسر وہاں اب بھی قید ہوں۔ پروفیسر چونکہ نامی گرامی تھے لہٰذا حکام راضی ہو گئے اور بالآخر میں فوج کو قبیلے تک لے آیا۔

فوجیوں نے چاروں طرف سے قبیلے کو گھیر لیا ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اچانک حملہ کرکے ایک ایک کو بھون ڈالیں گے اور اگر پروفیسر زندہ ہوئے تو انہیں بازیاب کرالیں گے۔ مگر اچانک میری نظر پروفیسر پر پڑی۔ وہ کونے میں ایک جھاڑی کاٹ رہے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ کسی قبائلی کے ساتھ جارہے ہیں اسی لمحے فوجی جھاڑیوں سے نکل آئے اور انہوں نے قبیلے کو گھیر لیا۔

"نہیں خبردار کوئی گولی نہ چلائے۔"

پروفیسر ہمیں دیکھتے ہی چلائے "میں ٹھیک ہوں۔"

"کیا قبیلے والوں نے پروفیسر کو نقصان نہیں پہنچایا؟" ایڈورڈ نے پوچھا۔ میں نے جواب دیا "نہیں دراصل جب قبیلہ' پروفیسر کو پکانے لے جارہا تھا تو اسی وقت سردار موذی بیماری کا شکار ہوگیا۔ پروفیسر نے کہا کہ وہ اسے مرنے سے بچاسکتے ہیں۔ انہوں نے سردار کا علاج کیا اور اس طرح قبیلے کو دوست بنالیا۔ پروفیسر ان میں گھل مل گئے۔ جانتے ہو پروفیسر نے مجھ سے ملتے ہی کیا سوال پوچھا۔ انہوں نے پوچھا "خون کے نمونوں کو لیبارٹری تک پہنچادیا تھا نا تم نے؟"

"واقعی" ایڈورڈ نے کہا۔ "پروفیسر ایک مسیحا ہے۔ دکھی انسانیت کا خدمت گار اور اس کے لئے اسے اپنی جان کی بھی پروا نہیں۔ مگر پروفیسر اب ہے کہاں؟"

"یہیں شہر میں" میں نے جواب دیا "اور وہ دوبارہ جنگل جانے کی تیاری کررہا ہے اس نے موذی بیماری کا علاج جو دریافت کرلیا ہے۔"

"واقعی!" ایڈورڈ نے کہا۔ "میں بھی پروفیسر کے ساتھ جاؤں گا اگر انہیں اعتراض نہ ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں" میں نے کہا اور سوچنے لگا جب تک پروفیسر جیسے لوگ زندہ ہیں کوئی بیمار سسک سسک کر نہیں مرسکتا۔

تکبّر سے بچو!

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا : "جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔" ایک شخص نے سوال کیا۔ "آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اس کا جوتا اچھا ہو تو کیا یہ تکبّر ہے؟" آپ نے فرمایا : "اللہ صاحبِ جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تکبّر تو یہ ہے کہ آدمی حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ (الحدیث)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دین کے معاملے اپنے اوپر سختی نہ کرو اللہ بھی تم پر سختی نہ کرے گا ایک گروہ نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ یہ انہی کی باقیات ہیں جن کو تم گرجوں اور خانقاہوں میں دیکھ رہے ہو پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

ورهبا نیته ن ابتد عوها :

(مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد)

بنام آنکھ مچولی

قارئین کے منتخب خطوط

سید فرحان احمد، کراچی۔ اس بار تو آنکھ مچولی نے کافی انتظار کروایا۔ سرورق خوب صورت تھا۔ فروغ تعلیم کے حوالے سے سب ہی کہانیاں لاے ون تھیں۔ نظمیں اور مضامین بھی خوب تھے۔ انکل اب جلدی سے ہماری بھی کوئی تحریر لگادیں بڑی مہربانی ہوگی۔ **ذلیخان سولنگی، گڈو (سندھ)** ۔ اپریل کے شمارے میں تمام کہانیاں پسند آئیں۔ خاص طور پر "شمعیں جلائے رکھنا"، بہت پسند آئی۔ **فوزیہ یوسف، حافظ آباد۔** .... خوبصورت ٹائیٹل "سنہرے حروف" اور "ماہ رواں کی پہلی بات" دل میں اترتے چلے گئے۔ "تلاش" نے تمام تاریخی مناظر پیش کر کے ایک کسک پیدا کردی۔ "اللہ ان سے راضی ہو" پڑھ کر ایمان تازہ ہوا۔ "چراغ تلے" معاشرے کی بہترین عکاس تھی "پومی اور پونی کی کہانی" میں پوشیدہ پیغام سمجھ میں آیا۔ محمد عادل منہاج سے ملاقات پسند آئی۔ ورلڈ کپ پر رنگین اشاعت بہت خوب تھی غرض کہ مارچ کا شمارہ خوب رہا۔ **محمد ریاض، چینیوٹ۔** مارچ کا آنکھ مچولی بہت پسند آیا۔ تمام کہانیاں مزے کی تھیں۔ صحابہ کرامؓ پر معلوماتی سلسلہ وار مقابلہ بے حد اچھا لگا۔ **جمال اکبر بلوچ، گوادر (بلوچستان)۔** فروری کا آنکھ مچولی پڑھا۔ ٹائیٹل باغ و بہار کا منظر پیش کررہا تھا۔ ماہ رمضان

کے حوالے سے "اپنی مٹی کا خیال" ایمان افروز تحریر تھی۔ نظمیں کہانیاں اور نئے سلسلے پسند آئے۔ "وہ عید کب آئے گی" شمارے کی بہترین تحریر تھی جو معاشرے کے حقیقی دکھ و کرب کا اظہار کررہی تھی۔ **سلیم اختر، سیالکوٹ۔** آپ آنکھ مچولی کا "دس سالہ نمبر" نکالئے جس میں بہترین تحریروں کا انتخاب شائع کیجئے یا پھر "آنکھ مچولی نمبر" نکالئے جس میں نت نئے دلچسپ مضامین اوٹ پٹانگ کہانیاں اور تخیلاتی نظمیں شائع کیجئے۔ ○ ۔۔ بھئی! پھر تو یہ اوٹ پٹانگ نمبر ہوا۔ **محمد عدیل دانش، کراچی۔** شمارہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ "سنہرے حروف" اور "حمد باری تعالیٰ" پراثر تھی۔ محمد عادل منہاج کی کہانی بے حد پسند آئی۔ **سچانند ہمدم، جھل مگسی (بلوچستان)۔** مجھے آنکھ مچولی بے حد پسند ہے۔ اس کی کہانیاں اور نظمیں بہت اچھی ہوتی ہیں اور سلسلے بے حد معلوماتی۔ اس رسالے کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ **شیراز احمد، فراز احمد، سکھر۔** رسالے کا سرورق اور خوبصورت بنانے کی ضرورت ہے۔ "حق اسکواڈ" جیسی سلسلہ وار کہانیاں شروع کیجئے۔ رسالے کے صفحات بڑھائیے اور آئندہ خاص نمبر "سائنس" پر نکالئے۔ ○ ---- آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں۔ **محمد فیصل، زہرا محمد، کراچی۔** کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کسی مشہور شخصیت کا انٹرویو کریں جن سے تمام سوالات قاری بچے پوچھیں۔ ○ ---کیوں نہیں ہوسکتا ہے۔ بھئی...... اب ہمیں جلدی سے اس مشہور شخصیت کا نام سوچ لینے دیجئے۔ **منزہ عارف جدون، لاہور۔** آنکھ مچولی پڑھا۔ دلچسپ و عجیب واقعات پھر رنگ برنگ تصویروں نے دل موہ لئے۔ سلسلے وار کہانی نہ پاکر تشنگی کا احساس ہوا۔ **سعدیہ شارق، کراچی۔** رسالہ ہمیشہ کی طرح رنگین تصاویر، دلچسپ کہانیوں اور نظموں سے سجا ہوا تھا۔ **بشیر احمد بھٹی، بہاولپور۔** آنکھ مچولی قدر تاخیر سے ملا۔ "سنہرے حروف" اور "ماہ رواں کی پہلی بات" بے حد اثر انگیز تھے۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ **پرنس افضل شاہین، بہاولنگر۔** اس بار کی کہانیاں اور مضامین نہایت عمدہ تھے۔ پورا رسالہ پسند آیا۔ **ارشد نواز، کوہاٹ شہر۔** "موت کی آواز" کو بہت چھوٹے ٹکڑوں میں شائع کیا جارہا ہے۔ جس سے یہ متاثر نہیں کرپا رہی۔ اس کے صفحات بڑھائیے اور رسالے میں مصوری کا کوئی سلسلہ شروع کیجئے۔ اس کے علاوہ راستہ بتائیے اور کچھ نئے دلچسپ مقابلے بھی شائع کیجئے۔ ○ --- آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں آپ خاطر جمع رکھیں۔ **حسین شاہ، غریب آباد۔** شمارہ پڑھا بہت پسند آیا۔ رسالے میں معلومات زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئیں اور خطوط کی تعداد میں اضافہ کیجئے۔ **وحید عامر، بوریوالا۔** سورج کی طرح چمکتا دمکتا اور اپنی تحریروں سے روشنی بکھیرتا آنکھ مچولی ملا۔ تمام تحریریں عمدہ اور ان کے مصنفین مبارک باد کے مستحق ہیں۔ **ثمینہ شمس، کراچی۔** شمارہ پسند آیا۔ خاص کر سائنسی مضامین عمدہ، معلوماتی اور دلچسپ تھے۔ **غزالہ نسیم، کراچی۔** آنکھ مچولی بہت اچھا لگتا ہے اور اچھی چیزیں تو ظاہر ہے اچھی ہی لگتی ہیں۔ **حاجی محمد مظہر لاشاری، بہاولنگر۔** آنکھ مچولی ہے بہت مغرور، میرا نام اپنے وجود پر نہیں دیکھنا چاہتا۔ ○ --- آنکھ مچولی پر پاکستان بلکہ پوری دنیا کے بچوں کا حق ہے۔ اچھا لکھنے

والے، پھر محنت، لگن اور شوق سے لکھنے والے اس میں جگہ پاتے ہیں۔ **شہباز علی، کراچی۔** انکل! میں چاہتا ہوں آنکھ مچولی میں سلسلہ وار کالم لکھوں جس کا نام میں نے رکھا ہے "دکھوں کی نگری"۔ ○ ---پیارے دوست! دنیا واقعی دکھوں اور غم سے بھری پڑی ہے لیکن اس دکھ نگری میں پیار کے پھول بھی کھلتے ہیں آنکھ مچولی پیار کے پھولوں کی خوشبو بکھیرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے تاکہ آپ بچوں میں پیار محبت کی خوشبو بانٹی جاسکے۔ **شاہد ہاشم علی، بورے والا۔** آپ کا رسالہ بے حد شاندار ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ **عبدالصبور احسن، لاہور۔** میرا چھوٹا بھائی ہر مہینے ایک رسالہ خریدتا اور اسے بڑے شوق سے پڑھتا نظر آتا ہے۔ ایک دن میں نے یہ سوچ کر کہ آخر اس میں ایسی کیا دلچسپی ہے جو چھوٹا بھائی اسے اتنے شوق سے پڑھتا ہے، خود پڑھا اور اس بات کا قائل ہو گیا کہ آنکھ مچولی واقعی بہترین ہے۔ **اکرم بلوچ، جاوید جان بلوچ، گوادر۔** جنوری کے شمارے کا ٹائیٹل مزے دار تھا۔ پورے شمارے میں صرف ایک ہی کہانی اچھی لگی بلکہ بہت اچھی اور وہ تھی عالیہ صلاح الدین کی "میرے دل میں رہو" عالیہ نے روایت سے ہٹ کر جتنی ہنرمندی اور خوبصورتی سے سوتیلی ماں کا کردار دکھایا ہے اس سے سوتیلی ماؤں کی عزت بڑھ گئی ہے۔ **شہریار احمد، پشاور۔** جنوری "سنہرے حروف" حسب توقع سبق آموز تھا۔ کہانیوں میں "میرے دل میں رہو" "جن کا بچہ" اور "چھوٹا" بے حد اچھی تھیں۔ **سلیم رضا، حیدر آباد۔** سرورق بے انتہا شاندار تھا۔ رسالہ کھولتے ہی ماہ رواں کی پہلی بات پڑھنے کو ملی جو بے حد پسند آئی۔ سنہرے حروف کے علاوہ ایمان افروز اسلامی مضمون پسند آیا۔ **افتخار عالم، کراچی۔** آنکھ مچولی ایک خوبصورت جنوری کے شمارے میں خاص کر چند ایک کہانیاں بے حد اثر انگیز اور جاندار تھیں جن میں پہلے نمبر پر "میرے دل میں رہو" اور دوسرے نمبر پر اختر میمن کی "چھوٹا" رہی **طارق جاوید، لاڑکانہ۔** جنوری میں "ادبی بحث" بے حد ادیبانہ تھی اور ساری بحث گفتگو میں ہی بہہ گئی۔ پلیز! ہم بچوں کی دلچسپیوں والی کہانیاں شائع کریں۔ ○ ---دل چھوٹا نہ کیجئے ---- ہمیں آپ کی دلچسپی کا پورا خیال ہے آپ کی شکایت نوٹ کرلی گئی ہے۔ **محمد عظیم، کراچی۔** مجھے آنکھ مچولی بہت پسند ہے۔ آپ کے پچھلے "خوفناک نمبر" بہت زبردست تھے۔ **مہری علی، کوئٹہ (بلوچستان)۔** پہلے کی نسبت رسالے میں سائنسی مضامین کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ ○ --- ایسی تو بات نہیں، سائنسی اور معلوماتی مضامین کا تو خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ **محمد انور، کامرہ (اٹک)۔** آنکھ مچولی پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ نہ صرف ٹائیٹل خوبصورت تھا بلکہ کہانیاں بھی بہت اچھی اچھی تھیں۔ **مولا بخش، پسنی۔** ایک دوست سے آنکھ مچولی لے کر پڑھا بہت اچھا لگا۔ نظمیں کہانیاں خاصی دلچسپ تھیں۔ **ملیحہ عبدالمتین، کراچی۔** آنکھ مچولی سب سے منفرد اور اچھوتے خیالات سے مزین ہوتا ہے۔ **وسیم عباس، لاہور۔** آنکھ مچولی میرا محسن ہے۔ اس سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اس رسالے نے مجھے بات کرنے کا سلیقہ دیا ہے۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

ناقابل اشاعت تحریروں کا کالم

"جنگ ستمبر" عبدالباسط، ہری پور۔ "بارش کے بعد" فوزیہ ناز کنول، اوکاڑہ۔ "محنت" عدیل احمد، کراچی۔ "حمد" ریاض راہی برڑو، ٹنڈو محمد خان۔ "بچوں کی دنیا" محمد اقبال کلوئی، میرپور ساکرو۔ "حضرت محمدؐ غیر مسلموں کی نظر میں" کاشف سعید، کراچی۔ "قربانی" کامران بٹ، ایبٹ آباد۔ "منو کے اچھے کارنامے" یاسر احمد، کراچی۔ "سیکھو" ہما شریف کراچی۔ "بلی" تابش، کراچی۔ "جھوٹ بولنے کی سزا" علی اعجاز، اسلام آباد۔ "وطن کا پرچم" رشید ارشد، کراچی۔ "شرارستان" عبدالرحمٰن لاشاری، کراچی۔ "انقلاب" "مقداد اعظم" جہلم شہر۔ "ناکام ادیب کی فریاد" شیر نواز گل، پشاور۔ "نیا بجٹ" خرم اعجاز، فیصل آباد۔ "ایک ظالم کا قصہ" شاہد الرحمٰن چوہدری، سرگودھا۔ "چالاک گدھا" حسان پرویز، کراچی یونیورسٹی۔ "ایک بھیانک خواب" محمد اقبال، مظفر گڑھ۔ "بدروح کا راز" سیدہ فاکہہ عرفان، اسلام آباد۔ "خوفناک سفر" رخشندہ عابد، ملتان۔ "ہسپتال میں جنات کا سایہ" محمد ندیم اقبال، گجرات۔ "مہمان نواز" مہرا قیوم، فیصل آباد۔ "خوفناک جزیرہ" افتخار حسین، دادو۔ "وہ دو آنکھیں" ماریہ رانا، اسلام آباد۔ "خوف ایک مقدس جذبہ" شہناز، کاموں کے۔ "خطرناک ڈھانچہ" عبدالقادر، سوئی گیس۔ "عزم" نازیہ اسلام، کراچی۔ "صفائی" عائشہ بخاری، کوئٹہ۔ "کیا واقعی مسیحا ہے" ارسلان غنی، لاہور۔ "پامال ہو کر رہ گئے" احمد عرفان، پٹارو۔ "بچوں کا وچن" عبداللہ شجاع، لاڑکانہ۔ "حمد" عاطف اقبال، کراچی۔ "کراچی ہمارا" محمد ثناء، کراچی۔ "حمد" اویس احمد خان، کندیاں۔ "حال بے حال" مظفر عباس، وہاڑی۔ "پُراسرار روشنی" صبا قادری، کراچی۔ "حضرت داتا گنج بخش" محمد عدیل دانش، کراچی۔ "سورج" محمد عامر، کراچی۔ "مزاحیہ غزل" اسد شاہ، کراچی۔ "لگتی نہیں یہ بات سچی" شیر نواز گل، پشاور۔ "دروازے کا جھگڑا"" "آسیب زدہ کھڑکی" منصور احمد گکسی، کندھ کوٹ۔ "خوفناک لمحہ" صدف شفیق، حیدرآباد۔ "حال بے حال" عدنان علی آفاق، کوئٹہ۔ "نظم" ثوبیہ خان، کراچی۔ "مستقبل کا اغوا" (؟) "ماں" محمد یوسف، نوشہرہ۔ "انسان بن گیا جن" ایوب سنیل، تربت۔ "ڈاکٹر محمد اقبال" ثوبیہ خان، کراچی۔ "حمد باری تعالیٰ" محمد افضل، بولان۔ "میرا نبی" جنید حفیظ، اسلام آباد۔ "حضرت ابراہیم" محمد نواز، شہداد پور۔ "علی اور میں" تابش گل، حیدرآباد۔ "گلاب اور کالا باغ" صدف قادری، کراچی۔ "کیکر سنگھ" راؤ محمد اعجاز (؟)۔ "کامیابی" راحت شوکت، ساہیوال۔ "فرض" محمد عارف (؟) "سچ یا جھوٹ"" "فریاد لڑکی کی" کمال احمد، حیدرآباد۔ "نعت" سید اعجاز فاطمہ (؟) "بھیانک جرم" مظفر گڑھ۔

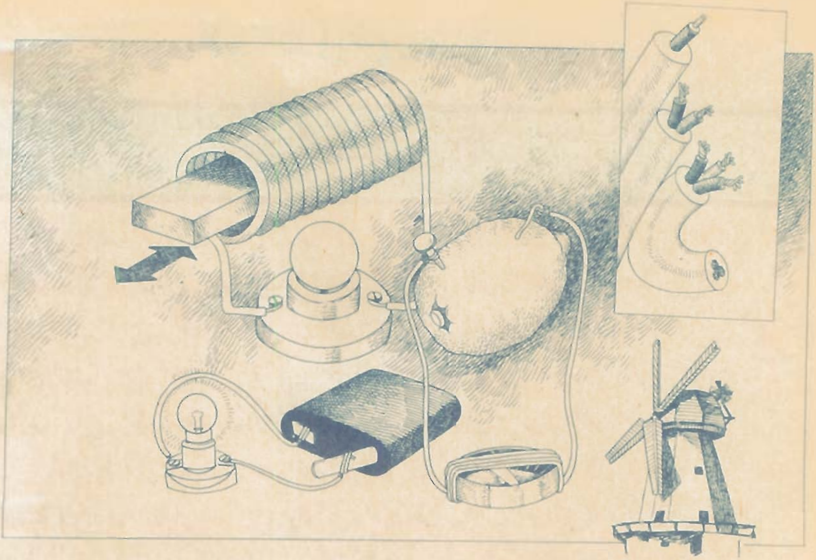

بجلی کی کہانی

محمد انعام

آپ سب بجلی کے فائدوں سے واقف ہیں اب تو ہم بجلی کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اس کے بغیر گزارا ہی نہیں ہو سکتا شاید آپ کبھی کبھی سوچتے ہوں کہ یہ بجلی بنتی کس طرح ہے اور کس طرح ہمارے گھروں تک آتی ہے؟ آج ہم آپ کو یہ بات بتاتے ہیں سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ بجلی ایک طرح کی توانائی ہے ایک طاقت ہے جس سے ہم طرح طرح کے کام لیتے ہیں یہ اب سے کوئی ڈیڑھ سو برس پہلے کی بات ہے....اٹلی کے سائنس دان وولٹا نے یہ بات معلوم کی۔ اس نے دو مختلف دھاتوں کے لئے جست اور تانبا اور تیزاب کی جگہ سرکہ استعمال کیا۔آج بھی ہمارے برقی سیل کا یہی اصول ہے جو آپ اپنے ٹرانزسسٹر یا ٹارچ میں استعمال کرتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اس میں کوئی تیزاب یا بہنے والی چیز استعمال نہیں کی جاتی ورنہ اسے ایک

جگہ سے دوسری جگہ لے جانا مشکل ہو جائے اس میں ایک مسالا استعمال کیا جاتا ہے جو تقریباً" خشک ہوتا ہے اسی لئے اسے ڈرائی سیل بھی کہتے ہیں سیل یا کار کی بیٹری سے ہمیں جو برقی رو حاصل ہوتی ہے وہ ڈائریکٹ کرنٹ یا ڈی۔ سی کہلاتی ہے ظاہر ہے کہ اتنی تھوڑی سی کرنٹ ہمارے کس کام نہیں آسکتی خوش قسمتی سے بجلی اور مقناطیسیت کے درمیان براہ راست ایک قدرتی تعلق پایا جاتا ہے یعنی بجلی سے مقناطیسیت پیدا کی جاسکتی ہے اور مقناطیس کی مدد سے بجلی تیار کی جاسکتی ہے دونوں کے درمیان یہ قدرتی تعلق آج سے کوئی سو سال پہلے مشہور برطانوی سائنس داں مائیکل فیراڈے نے معلوم کیا تھا آج بھی اسکولوں میں یہ سادہ تجربہ کیا جاتا ہے کہ اگر کسی مقناطیس کے دونوں قطبین (سروں) کے درمیان ایک تار کا حلقہ یا کسی لمبے تار کا لچھا تیزی سے گھُمایا جائے تو اس لچھے میں برقی رو پیدا ہو جائے گی ایسا کوئی بھی انتظام ڈائی نیمو اور بڑے پیمانے پر یہی آلہ یا مشین جنریٹر کہلاتا ہے۔ یہ جنریٹر پانی کی طاقت سے بھی چلتے ہیں اور بھاپ کی قوت سے بھی۔ دنیا کے ان تمام ملکوں میں بجلی بہت سستی ہے جہاں قدرتی آبشاروں کی بہتات ہے مثلاً" سویڈن، کنیڈا، سوئٹزرلینڈ وغیرہ آبشار نیاگرا اور ایسی ہی دوسری بڑی آبشاروں کے بجلی گھر مشہور ہیں ہمارے ملک میں بھی منگلا، وارسک، تربیلا، رسول اور ایسے ہی کئی دوسرے بندوں پر بجلی بنانے کا انتظام موجود ہے ایسے تمام منصوبوں کے دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو آب پاشی کے لئے پانی فراہم کیا جاتا ہے اور پھر اس پانی کو نیچے گرا کر تاروں کے بہت بڑے بڑے لچھے گھمائے جاتے ہیں جنہیں آرمیچر کہتے ہیں شاید آپ نے یہ جنریٹر دیکھے ہوں ان کی بلندی کسی دو منزلہ عمارت سے کم نہیں ہوتی گرتے ہوئے پانی کی طاقت ور دھار تاروں کے لچھے یا آرمیچر کو ایک عظیم مقناطیس کے قطبین کے درمیان بڑی تیزی سے گردش دیتی ہے یہ آرمیچر جتنی زیادہ تیزی سے گھومتا ہے اتنی ہی زیادہ قوی برقی رو بھی پیدا ہوتی ہے جنریٹر چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی مثلاً" موٹر کار کا جنریٹر کل ایک فٹ لمبا اور تقریباً" آٹھ انچ چوڑا ہوتا ہے لیکن پورے شہروں کے لئے بجلی تیار کرنے کی غرض سے دیو قامت جنریٹر استعمال کئے جاتے ہیں جنریٹر یا پاور ہاؤس میں تیار ہونے والی قوی برقی رو تاروں کے نہایت طویل سلسلوں کی مدد سے ان دیہاتوں قصبوں اور شہروں تک پہنچتی ہے۔ جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے آپ نے بہت اونچے اونچے کھمبے دیکھے ہوں گے جس پر خوب موٹے اور مضبوط تار کھنچے ہوتے ہیں ان پر بجلی کی نہایت قوی رو آتی ہے جو

ہمارے لئے خطرناک بھی ہوتی ہے۔ہمارے قصبوں اور شہروں میں اس قوی رو کو کم کر کے بس اتنا کرلیا جاتا ہے کہ وہ ہمارے گھروں میں حفاظت سے داخل ہو سکے اور ہمارے آلات کو چلا سکے۔اس مقصد کے لئے ایک ایسی مشین استعمال کی جاتی ہے جو بجلی کے زبردست دباؤ یا وولٹیج کو کم کر کے تقریباً" دو سو بیس وولٹ پر لے آتی ہے۔ یہ مشین ٹرانسفارمر کہلاتی ہے آپ نے کھمبوں پر یہ مشین رکھی دیکھی ہوگی ہمارے برقی آلات اور سامان بالعموم دو سو بیس وولٹ پر کام کرتے ہیں یہ وولٹیج بھی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ذرا ہاتھ چھو جائے تو ہمیں بڑے زور کا دھکا محسوس ہوتا ہے اور اگر مناسب احتیاط نہ کی جائے تو بجلی سے حادثے بھی ہو جاتے ہیں ہمارے گھروں میں بجلی ایک میٹر کے ذریعہ سے داخل ہوتی ہے اس میٹر میں کچھ سوئیاں ہوتی ہیں جو بجلی کا خرچ ظاہر کرتی ہیں۔ ہم اپنا بل اس میٹر کی مدد سے ہی ادا کرتے ہیں گھروں کو محفوظ رکھنے کے لئے بجلی کو میٹر کے بعد ایک فیوز بکس سے گزارا جاتا ہے جس میں ایک دو یا اس سے بھی زیادہ فیوز موجود ہوتے ہیں گھر جتنا بڑا ہوگا اور سرکٹوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی یہ فیوز بھی اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔آپ نے چینی مٹی کے ٹکڑوں پر ملائم تار لگا دیکھا ہوگا اسے فیوز کہتے ہیں بجلی اسی تار سے گزر کر آپ کے کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ ہر سرکٹ کا اپنا ایک فیوز ہوتا ہے۔ اگر اس سرکٹ میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے مثلاً بجلی کے تار کہیں سے کٹ جائیں، خراب ہو جائیں اور آپس میں مل جائیں تو سب سے پہلے یہ فیوز اُڑ جائے گا اور بجلی جانا بند ہو جائے گی اس چھوٹے سے تار کو اس لحاظ سے بڑی اہمیت ہے کہ وہ ہمارے گھروں اور ہمارے برقی آلات کو تباہ ہونے سے بچاتا ہے اگر فیوز نہ ہو تو گھر میں آگ لگ سکتی ہے یا ہمارا برقی ساز و سامان جل کر تباہ ہو سکتا ہے فیوز بکس میں بعض لوگ موٹا اور مضبوط تار لگا دیتے ہیں اس سے فیوز بار بار تو نہیں اُڑتا لیکن یہ غلط طریقہ ہے کیونکہ فیوز اُڑنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تاروں یا سرکٹ میں کوئی خرابی ہے اگر فیوز بکس میں موٹا تار لگا ہونے کی وجہ سے فیوز نہ اُڑے تو بجلی کی خرابی سے کوئی بڑا نقصان ہو سکتا ہے اس لئے فیوز بکس میں نرم تار لگانا چاہئے اور فیوز اُڑنے سے پریشان نہیں ہونا چاہئے بجلی ہمارے لئے رحمت ہے لیکن بے احتیاطی اور لاپرواہی سے یہ زحمت بن سکتی ہے اس لئے اسے استعمال کرتے وقت احتیاط برتنا چاہئے!!

مقابلہ معلوماتِ عامہ

صحابہ کرامؓ

سلسلہ نمبر ۴

ان سوالوں کے درست جوابات ۳۰ مئی تک ارسال کر دیجئے:

۱- خانۂ کعبہ میں سب سے پہلی اذان کس صحابیِ رسولؐ نے دی تھی؟

۲- ہجرت مدینہ کے بعد آنحضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے والی سب سے پہلی خاتون کون تھیں؟

۳- اہلِ مکہ میں سب سے زیادہ عطر لگانے والے صحابی کون تھے؟

۴- غزوہ صفوان میں مسلمانوں کا علم کس صحابیؓ کے پاس تھا؟

۵- آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے بعد کس صحابی کو مکہ میں مستقل اذان دینے پر معمور کیا تھا؟

۶- آنحضورؐ نے کس صحابی کے بارے میں فرمایا تھا کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں؟

۷- عشرہ مبشرہ میں شامل کون سے صحابیؓ اسلامی شہسوار کے لقب سے مشہور تھے؟

۸- اسلام کی راہ میں سب سے پہلی تلوار کس صحابیؓ نے اُٹھائی تھی؟

معلومات عامہ سلسلہ نمبر ۲ کے درست جوابات :

۱- حضرت مہجع العکیؓ ۲- حضرت خدیجہؓ ۳- حضرت علیؓ ۴- حضرت کبشیہؓ بنت ملیمان ۵- حضرت بلال حبشیؓ ۶- حضرت سعد بن ابی وقاص نے ۷- حضرت سہیل بن بیضا کی ۸- حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے

بالکل درست جواب ارسال کر کے انعام حاصل کرنے والے تین ساتھی :-

۱- محمد صابر، سکھر ۲- ماجدہ خاتون، حیدر آباد ۳- ہما صابر، کراچی

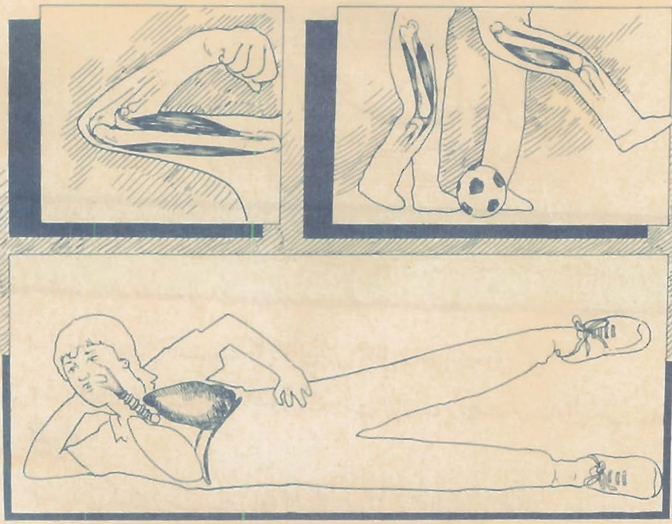

ہمارے عضلات

علی حمزہ

ہم سب جانتے ہیں کہ ہم حرکت کرتے ہیں لیکن جو چیز ہمیں حرکت کراتی ہے وہ کیا چیز ہے؟ آپ یقیناً" یہ جان گئے ہوں گے کہ وہ ہمارے عضلات ہیں۔ اس مضمون میں ہم آپ کو ان ہی عضلات کے بارے میں بتائیں گے۔

ہمارے جسم کے ڈھانچے کی ۲۰۶ ہڈیاں ۵۰۰ سے زائد عضلات سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ ہمارے بدن کی شکل اور اس سے ہونے والی حرکات عضلات ہی سے ظہور میں آتی ہیں۔ جہاں کہیں بھی ایسی ہڈی ہو جو حرکت کر سکتی ہو وہاں اس کو جُنبش دینے کے لئے عضلات موجود ہوتے ہیں۔

ڈھانچہ ایک مشین کی مثل ہوتا ہے۔ اس میں بھی بیرم (لیور)، پہیے، قبضے وغیرہ ہوتے ہیں۔ عضلات تاریں اور پٹے ہیں جو مشین کو حرکت دیتے ہیں۔

عضلات بہت سے ڈوری والے ریشوں کی

لچھوں سے بنے ہوتے ہیں۔ جن کو گچھے کی طرح باندھ دیا گیا ہو۔ عضلے کا اصل حصہ گوشت سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ جو ربڑ کی طرح پھیل اور سکڑ سکتا ہے۔ تاہم اس کے سرے سخت اور مضبوط بافت کے ہوتے ہیں جس کو وتر کہتے ہیں وتر کے ذریعے سے عضلہ ہڈی' جلد اور دوسری بافتوں سے کس کر بندھا ہوا ہوتا ہے۔ ہر عضلہ ایک مقام پر ثابت ہوتا ہے۔ جسے اس کی جڑ (مخرج) کہتے ہیں۔ دوسرا سرا عام طور پر جسم کے اس حصے سے چسپاں ہوتا ہے جس کو وہ حرکت دیتا ہے اور اسے اس کا مدخل کہتے ہیں جب عضلہ جڑ کی طرف سکڑ جاتا ہے۔ تو حرکت واضح ہوتی ہے۔

ڈھانچے کی ہڈیوں کی طرح ہر عضلے کا بھی اپنا خاص کام ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض اصلی محرک ہوتے ہیں جو جسم کو حرکت دیتے ہیں۔ اصلی گروپ کی جڑ کو لازماً" مضبوط اور اچھی طرح جما ہوا ہونا چاہئے۔ یہ کام جمانے والے عضلات انجام دیتے ہیں۔ یہ اصل محرک کی جڑ کو چاروں طرف سے گھیرئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی عمل کے وقت غیر ضروری حرکت کو روکنے کے لئے باہمی اشتراک کرنے والے عضلات سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ عضلات اصل محرک کے مدخل والے حصے میں واقع ہوتے ہیں اور متحرک جوڑوں کو سنبھالے رکھتے ہیں۔

جسم کے ہر عضلے کا اسی حصہ جسم میں ایک مخالف عضلہ ہوتا ہے۔ جوڑ کو جھکانے والے ہر عضلے کے مقابلے میں ایک عضلہ ہوتا جو اس جوڑ کو سیدھا کرتا ہے۔ اسی طرح ہر عضلے کے ساتھ جو کسی ہڈی کو اٹھاتا ہے ایک اور عضلہ اسے نیچے لانے کے لئے ہوتا ہے۔ بازو میں وہ عضلہ جس کو دو سروالا (ذوالراسین) کہتے ہیں سکڑتا اور تین سر والا (ثلاثتہ الروس) عضلہ ڈھیلا ہوجاتا ہے اور اس طرح بازو جھک جاتا ہے۔ جب تین سروالا عضلہ سکڑتا اور دو سروالا ڈھیلا پڑتا ہے تو اس وقت بازو اپنی اصل حالت پر آجاتا ہے یہ نظم تمام جسم میں پایا جاتا ہے۔

عمل کے دوران میں عضلات اپنی شکلیں بدل سکتے ہیں اور فی الحقیقت بدلتے ہیں۔ جب کوئی عضلہ سکون کی حالت میں ہو تو وہ پوری طرح ڈھیلا نہیں پڑتا اور اگر ہم بے حس و حرکت ہوجائیں تب بھی عضلات مستعد رہتے ہیں۔ عضلاتی صحت سے یہی کیفیت مراد ہوتی ہے۔ عضلاتی صحت کے بغیر جبڑا بیٹھ جائے' پپوٹے گر جائیں اور سانس رک جائے۔

انسانی جسم ایک پیچیدہ کل ہے۔ جس کا ہر پُرزہ دوسرے پُرزے میں اچھی طرح پیوست ہوتا ہے اور جو کام اسے سرانجام دینا ہوتا ہے۔ اس

کے لحاظ سے نہ زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ نہ زیادہ چھوٹا۔ اگرچہ تمام عضلات گچھے کی شکل میں بندھے ہوتے ہیں لیکن ایک عضلہ دوسرے عضلے کے کام میں مداخلت نہیں کرتا۔

چٹپے، گول، لمبے اور تراشے ہوئے جواہرات کی مانند عضلات سارے جسم کو ڈھکے رہتے ہیں کچھ عضلات ایسے ہیں جو خود بل کھا کر دہرے ہو گئے ہیں۔ کچھ عضلات ایسے ہیں جو کھپریل کی طرح اوپر تلے رکھے ہوتے ہیں۔ کچھ عضلات ہڈیوں کے چاروں طرف لپٹے ہوتے ہیں۔ بہت سے عضلات دوسرے عضلات اور ہڈیوں کے درمیان بھنچے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح خوب گھچ پچ ہونے کے باوجود ہمارے جسم کا نظام اتنا باقاعدہ ہے کہ اس سے حسن و آہنگ کا ایک مرقع ظہور پذیر ہو گیا ہے۔

"اظہار کے عضلات" چہرے کے عضلات بہت سچے اور دیانت دار ہوتے ہیں۔ جب ہم اپنے خیالات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ہمارا بھانڈہ پھوڑ دیتے ہیں جیسے جیسے ہماری عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ ہم ان عضلات پر قابو پانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جب ہمارا دل دھاڑیں مار کر رونے کو چاہتا ہے تو کھل کھلا کر ہنسنا مشکل ہوتا ہے۔

عضلات چھوٹے اور پتلے اور سارے چہرے پر منتشر ہوتے ہیں ان کا بالائی سرا سر کی ہڈیوں میں ہوتا ہے اور زیریں چہرے کے گوشت میں چہرے کے عضلات چربی کی ایک تہہ سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ صرف اس وقت نمایاں ہوتے ہیں جب ہم منہ بناتے یا تیوری چڑھاتے ہیں ان کے بغیر اپنے جذبات و خیالات دوسروں تک پہنچانے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ ہمارے چہرے کے عضلات کا اتار چڑھاؤ اکثر اوقات ہمارے الفاظ سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔ سفلی حیوانات میں جذبات کے اظہار کی اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کیوں کہ ان کے چہرے میں اتنے عضلات نہیں ہوتے جتنے ہمارے چہرے میں ہوتے ہیں۔

"عضلات ہمیں حرکت دیتے اور زندہ رکھتے ہیں"

محمد جاوید خالد کو صدمہ

بچوں کے معروف ادیب، شاعر اور اُردو کے اُستاد محترم محمد جاوید خالد کے والد طویل علالت کے بعد قضائے الٰہی سے رحلت فرما گئے۔ ادارہ ان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے والدِ محترم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے (آمین!)

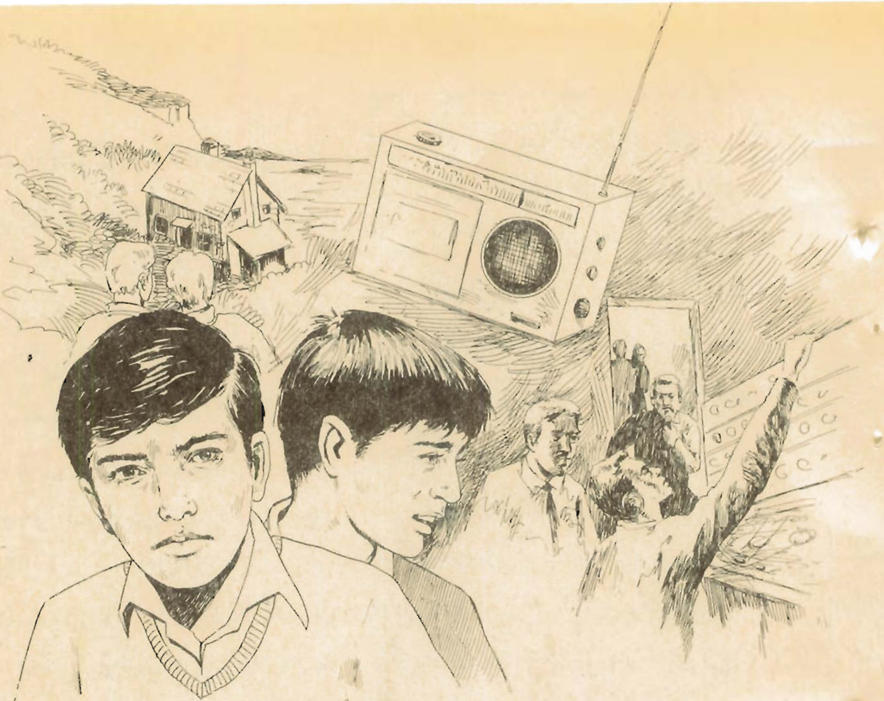

جزیرے کا راز

محمد کاشف عزیز

دوسری جنگِ عظیم بڑے زور و شور سے جاری تھی۔ ایک طرف جرمنی اور جاپان تھے تو دوسری طرف امریکا، برطانیہ، روس، فرانس اور وہ تمام ممالک جن پر برطانیہ کا قبضہ تھا۔ جرمنی اور جاپان کی کوشش تھی کہ کسی طرح برطانیہ کے حامی ملکوں پر قبضہ کرلیا جائے۔ اس طرح ان ممالک کی دولت اور باشندے ان کے کام آئیں گے اور ساتھ ساتھ اتحادیوں کی فوجی طاقت بھی کمزور ہوگی۔

جاپان تو خاص طور پر یہ کوشش کررہا تھا کہ اتحادی ممالک میں کسی طرح بغاوت کرادی جائے۔ اس کے لئے ہر قسم کا پروپیگنڈہ کیا جاتا۔ بعض ممالک میں خُفیہ ریڈیو اسٹیشن بھی لگائے گئے۔ جن سے برطانیہ اور اتحادی ممالک کے خلاف پروپیگنڈہ ہوتا۔ ان ممالک میں سے ایک آسٹریلیا بھی تھا۔ جو اس زمانے میں برطانیہ کے

تحت تھا۔

جیک برطانیہ میں رہتا تھا اور چھٹیاں منانے آسٹریلیا اپنے چچا کے پاس آیا تھا۔ چچا کا بیٹا ڈک اس کا ہم عُمر تھا۔ آج ان دونوں نے صبح صبح سائیکل پر سیر کا پروگرام بنایا تھا اور گھومتے گھماتے بہت دور نکل آئے تھے۔ چاروں طرف درخت پھیلے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ دونوں نے مزید آگے چلنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ جنگل کے درمیان میں پہنچے تو وہاں ایک جھیل نظر آئی۔ دونوں اپنی سائیکلیں ایک درخت کے پاس باندھ کر جھیل میں کود گئے۔ پانی معتدل تھا جس نے خوب مزا دیا۔ دونوں مزے سے تیرتے ہوئے جھیل میں نہانے لگے، پھر تیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ جھیل کے وسط میں ایک جزیرہ نظر آرہا تھا۔ دونوں وہاں تک پہنچتے ہوئے تھک سے گئے تھے۔ اس لئے ذرا دیر رک کر سانس لیا پھر جزیرے کی سیر شروع کی۔ جزیرہ نہایت پُر فضا مقام پر تھا اور درختوں سے بھرا تھا۔ چاروں طرف ہریالی تھی۔ فضا میں پودوں اور پھولوں کی خوشبو رچی بسی تھی۔ جیک اس منظر سے مُتاثر ہو کر بولا : "کاش! میں ادھر رہ سکتا۔" ڈک نے فوراً کہا : "ہاں تو اسکول تمہارے فرشتے جائیں گے۔"

جلد ہی وہ جزیرے کے وسط میں پہنچ گئے۔ جہاں پودوں وغیرہ کو صاف کر کے میدان سا بنایا گیا تھا جس کے بیچوں بیچ ایک شکستہ حال اور قدیم حویلی کھڑی تھی۔ ڈک حویلی کو گھُورتے ہوئے بولا : "یہ تو کسی بھوت کا مسکن معلوم ہوتی ہے۔" جیک نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا : "ارے چھوڑو آج کل بھوت وغیرہ کچھ نہیں ہوتے۔ خالی انسان کا وہم ہوتا ہے بس۔ چلو اس حویلی کو اندر سے دیکھتے ہیں۔

حویلی میں داخلے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا جو ایک بہت وزنی اور مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ دونوں بھائیوں نے مل کر اسے دھکیلا اور اندر داخل ہوگئے حویلی کا اندرونی حصہ نہایت صاف سُتھرا اور قابل رہائش تھا بلکہ کہیں کہیں سے تو اس کی مرمّت بھی کی گئی تھی۔ جیک یہ دیکھ کر چونک اُٹھا اور ڈک سے بولا : "یہاں ضرور کوئی رہتا ہے جبھی تو یہاں صفائی اور مرمّت کی گئی ہے۔" ڈک نے خوفزدہ ہو کر کہا : "یہ ضرور بھوتوں کا کام ہے۔" اور جیک مُسکرا کر خاموش ہوگیا۔ دونوں گھومتے گھماتے حویلی کے اندرونی حصّے میں پہنچ گئے تھے۔ دونوں کو یہ دیکھ دیکھ کر حیرت ہورہی تھی کہ عمارت جگہ جگہ سے مرمّت کردہ اور رنگ شدہ تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ واقعی یہاں کوئی انسان موجود ہے۔ اچانک ایک کمرے میں انہیں نیچے کی جانب سیڑھیاں

جاتی نظر آئیں۔ جیک ڈک سے مخاطب ہو کر بولا : "چلو نیچے چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ سیڑھیاں کہاں جارہی ہیں؟" مگر ڈک نے ڈر کر کہا : "یار نیچے کوئی بھوت وغیرہ نہ ہو۔"

"اُفوہ! ایک تو میں تم سے تنگ آگیا ہوں۔ یہ کیا بھُوت بھُوت کی رٹ لگا رکھی ہے۔" جیک نے اُکتا کر کہا۔ پھر چونک کر کہا : "یار کہیں خزانہ نہ ہو نیچے۔" خزانے والی بات پر ڈک بھی چونک اُٹھا اور نیچے چلنے کو تیار ہوگیا۔ دونوں نے سیڑھیاں اُترنا شروع کردیں۔ نیچے پہنچتے ہی دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔

انہوں نے دیکھا کہ چاروں طرف مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ جن پر مختلف بٹن اور ڈائل وغیرہ بنے تھے۔ وہاں پر چند آدمی کام کررہے تھے۔ ایک لمبا تڑنگا شخص کرسی پر بیٹھا ان سب کی نگرانی کررہا تھا۔ اچانک کام کرنے والے ایک شخص نے ایک ہیڈ فون اٹھایا اور چند بٹن دبا کر بولا : "ہیلو ہیلو یہ ریڈیو آزاد آسٹریلیا ہے ...."

جیک اور ڈک دونوں یہ سن کر چونک اُٹھے اتنا تو انہیں بھی معلوم تھا کہ آج کل ان کے ملک میں تخریب کاری اور دہشت گردی کے ساتھ ساتھ دشمن ملکوں نے لوگوں میں افواہیں پھیلانے کا کام تیز کررکھا ہے۔ جس کے لئے ریڈیو اسٹیشن قائم کئے گئے ہیں۔ "کیا یہ بھی اسی طرح کا ریڈیو اسٹیشن ہے۔" جیک نے چونک کر سوچا۔

اس نے ڈک کو آہستگی سے مخاطب کیا : "ڈک یہاں پر ایک غیرقانونی ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا ہے۔ جو آسٹریلیا کے لوگوں کو بھکانے اور ان کے حوصلے پست کرنے کا کام کررہا ہے۔ چلو جلدی سے یہاں سے نکل چلیں اور پولیس کو خبر کردیں۔" دونوں وہاں سے بھاگے اور آہستگی سے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ لیکن سیڑھیاں چونکہ تنگ اور پھسلن تھیں۔ اس لئے ڈک سنبھل نہ سکا۔ اس کا پیر پھسلا اور وہ دھڑام سے گر گیا۔ گرنے کی آواز سُن کر ہال میں موجود تمام لوگ اسی طرف دیکھنے لگے۔ لمبا تڑنگا جو یقیناً اس کا باس تھا دونوں کی طرف دوڑا اور قریب آکر آہستگی سے بولا : "بچّو آپ لوگ یہاں کیا کررہے ہیں؟" جیک کو تھوڑا حوصلہ ہوا اور وہ بات سنبھالتے ہوئے بولا : "جی انکل بات دراصل یہ ہے کہ ہم یہاں سیر کرتے ہوئے آگئے تھے۔ حویلی کے اندر سے دیکھ رہے تھے کہ یہ سیڑھیاں نظر آگئیں اور ہم یہاں اُترنے لگے۔ اترتے ہوئے میرے بھائی کا پیر پھسل گیا اور وہ گر پڑا۔ وہ آدمی چند لمحوں انہیں گھورتا رہا پھر اچانک مُسکرا کر بولا : "کوئی بات نہیں بچّو! آؤ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔" یہ کہہ کر وہ

انہیں ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ جیک خاموشی سے چل رہا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور اس نے سوچا کہ وہ ضرور پولیس کو یہاں لائے گا۔ لیکن ڈک سے رہا نہ گیا اور وہ پوچھ بیٹھا۔ "انکل! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"
یہ سُن کر وہ آدمی جو پہلے ہی محتاط تھا اب غصّہ سے بولا : "میں سمجھ گیا تھا بچو کہ تم نے ہمیں کام کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ اب تم بچ نہ سکو گے۔"
یہ کہہ کر اس نے بڑا سا پستول نکالا اور دونوں کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ مختلف راہداریوں وغیرہ سے گھُما کر وہ دونوں کو حویلی کے آخری حصے میں لے آیا۔ یہاں پر ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ جو کہ سوائے ایک پلنگ کے خالی پڑا تھا۔ اس نے دونوں کو کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور دروازہ بند کردیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی ڈک، جیک پر برس پڑا "اچھے خاصے ہم نِکل رہے تھے تمہیں کس نے کہا تھا پوچھنے کو "انکل آپ کیا کر رہے ہیں ادھر؟" اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ پھر سنجیدہ لہجے میں بولا : "فکر نہ کرو ہم نکلنے کی کوئی ترکیب ڈھونڈ لیں گے۔" پھر اس نے کمرے کا جائزہ لیا اور بولا : "اس کمرے سے نکلنے کا ایک راستہ تو دروازہ ہے جو کہ بند ہے۔ دوسرا راستہ یہ روشن دان ہے اس کے ذریعے ہم باہر نکل سکتے ہیں۔"

"لیکن کس طرح۔ یہ تو بہت اونچا ہے۔" ڈک نے کہا۔
"یہ پلنگ دیکھ رہے ہونا۔ بس اس کو دیوار سے ٹکا دیں گے۔ پھر تم اوپر چڑھ جانا اور دوسری طرف اُتر جانا۔" جیک مسکرایا۔
"لل .... لیکن میں ہی کیوں جاؤں۔ ہم دونوں یا تم کیوں نہیں۔" ڈک گھبرایا۔
"وہ اس لئے بے وقوف کہ تم روشن دان میں لگی ان سلاخوں کو دیکھو۔ ان میں صرف اتنی جگہ ہے کہ تم نکل سکتے ہو۔ اس لئے کہ تم ذرا سے کمزور ہو۔ میں ان سلاخوں کے درمیان سے نکل نہیں سکتا ہوں۔" جیک نے ڈک کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ڈک پھر بولا۔ "اچھا باہر نکل کر میں کیا کروں۔" جیک نے کہا : "تم جزیرہ احتیاط سے تیر کر پار کرلینا پھر سائیکل پر بیٹھ کر گھر جانا۔ چچا جان کو سب کچھ بتانا اور پھر پولیس کی مدد لے آنا۔" ڈک پہلے تو گھبرایا مگر جیک کے ہمّت بندھوانے پر راضی ہوگیا۔
جیک نے پلنگ کھڑا کر کے اسے چڑھایا۔ ڈک ذرا سی مشقّت سے باہر نکل گیا اور کُود گیا۔
ڈک باہر کُودتے ہی جزیرے کے کنارے کی طرف دوڑا۔ کنارے سے تیر کر جنگل تک پہنچنے میں دس منٹ لگے۔ فوراً اس نے سائیکل اٹھائی اور تیزی سے واپسی کا سفر شروع کیا۔ جب گھر

پہنچا تو باہر اس کی امی کھڑی انتظار کر رہی تھیں۔ انہوں نے اس کو اکیلا آتا دیکھا تو پوچھنے لگیں : "بیٹا ڈک! جیک کہاں ہے؟" ڈک نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا : "امی' ابا جان کہاں ہیں؟" اس کی امی نے کہا : "اپنے کمرے میں مگر جیک ......" ڈک نے ان کی بات بھی پوری نہ سنی اور اپنے ابا جان کے کمرے کی طرف بھاگا ابا جان کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ڈک تیزی سے بولا : "ابا جان ...... وہ ..... جیک ..... وہ ...... اب جان ...." ابا جان اسے گھبرایا ہوا دیکھ کر بولے : "ڈک بیٹا! اطمینان سے سانس لو اور پھر بتاؤ کیا بات ہے؟" ڈک نے اپنے حواس درست کئے اور بولا : "ابا جان دراصل بات یہ ہے کہ ......" اس نے اپنے ابا جان کو پوری بات بتادی۔ ابا جان فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "چلو بیٹا فوراً انسپکٹر ویلز کے پاس۔" انسپکٹر ویلز مقامی تھانے کے انسپکٹر تھے اور ڈک کے ابا جان کے گہرے دوست تھے۔

انہوں نے بات سُن کر کہا : "ٹھیک ہے ہم فوراً چلتے ہیں۔" انہوں نے اپنے سپاہیوں کو تیار کیا۔ ایک سپاہی کو کشتی کے لئے روانہ کیا اور جزیرے کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب تک وہ جھیل کے کنارے پہنچے' ان کا ماتحت کشتی لے کر آگیا۔

وہ کشتی پر سوار ہو کر جزیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام سپاہی اور انسپکٹر ویلز پوری طرح مسلح تھے جزیرے پر پہنچ کر کچھ سپاہیوں نے حویلی کا محاصرہ کرلیا۔ باقی انسپکٹر ویلز کی قیادت میں اندر داخل ہوئے۔ ڈک اور ابا جان بھی ان کے ہمراہ تھے۔ تمام مجرم اسی ہال میں موجود تھے۔ ان کو مزاحمت کرنے ہی نہ دی گئی اور سب کو گرفتار کرلیا گیا۔

ڈک نے اس کمرے کی طرف راہنمائی کی جس میں جیک قید تھا۔ جیک کو بھی آزاد کرالیا گیا۔ جیک اور ڈک دونوں گلے لگ گئے۔ انسپکٹر ویلز نے دونوں کو شاباش دی اور بتایا کہ دونوں کو انعام ملے گا۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر انسپکٹر ویلز نے آکر بتایا کہ آسٹریلیا کے گورنر صاحب نے دونوں بھائیوں کو ایک خُفیہ ریڈیو اسٹیشن پکڑانے' مجرموں کو بے نقاب کرانے کا اور ملک کی عزّت داؤ پر لگنے سے بچانے کا انعام دس' دس ہزار پونڈ دیا ہے۔ اس کے علاوہ دونوں بھائیوں کی تمام تعلیم بھی سرکاری خرچ پر پوری کی جائے گی۔ جیک اور ڈک یہ سن کر مُسکرا اُٹھے۔

انہیں انعام ملنے پر اتنی خوشی نہیں تھی جتنی اپنے وطن کے لئے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دینے پر وہ اپنے دل میں محسوس کر رہے تھے۔

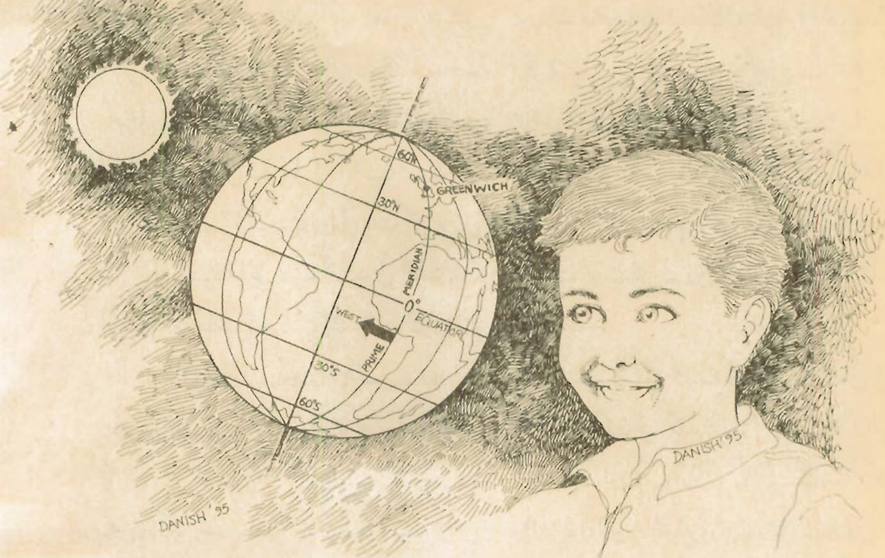

وقت کی کہانی

نگہت آرا چوہان

وقت کے دو اہم یونٹ دن اور سال ہیں۔ ان کا تعین زمین کی گردش سے کیا گیا ہے۔ زمین کی اپنے محور کے گرد گردش سے دن اور سورج کے گرد گردش سے سال بنتے ہیں۔ دن کو چوبیس گھنٹوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ گھنٹے کو ساٹھ منٹ اور منٹ کو ساٹھ سیکنڈ میں ویسے دن کی لمبائی مختلف ہوتی ہے اس کا سبب سورج کے گردش کے دوران زمین کی رفتار میں تبدیلی ہے تاہم کبھی دن چوبیس گھنٹے سے لمبا ہو جاتا ہے اور کبھی چھوٹا ہم صرف اوسطاً دن کو چوبیس گھنٹے کا کہتے ہیں۔

جگہوں کی نشاندہی میں سہولت کے لئے انسان نے زمین کو خطوط میں تقسیم کر دیا ہے اور قطبین سے ان کی پیمائش شروع کی ہے ایک خط پر واقع علاقوں کا ایک ہی معیاری وقت ہوتا ہے۔ مشرقی اور مغربی علاقوں کے مختلف اوقات ہوتے ہیں۔ ہر خط کے وقت میں ایک گھنٹے کا فرق ہے۔ ایک خط

انگلینڈ کے مقام گرینچ سے گزرتا ہے جسے صفر نمبر دیا گیا ہے۔ یہاں سے مشرق و مغرب کی طرف خطوط جاتے ہیں۔

دنیا کی تمام گھڑیوں کے اوقات گرینچ کے معیاری وقت پر منحصر ہیں۔ گرینچ لیبارٹری کے سائنس دان سورج سے وقت کا تعین کرتے رہتے ہیں۔ جب سورج یا ستارے ان خطوط کو کراس کرتے ہیں تو وہ وقت نوٹ کرتے ہیں۔ دوسرے ممالک میں بھی صحیح اوقات کے لئے مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ وہ ریڈیو کے ذریعے وقت کے سگنل دیتے ہیں۔ امریکہ میں واشنگٹن نیوی کی لیبارٹری میں معیاری وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔ صحیح وقت کے لئے خصوصی گھڑیاں ہیں۔ امریکہ کی آبزوریٹری میں کوارٹز کرسٹل کنٹرول گھڑیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ ان گھڑیوں کی برقی موٹریں کوارٹز کرسٹل کے ذریعے چلتی ہیں یہ گھڑیاں ۵۰۰ / ا سیکنڈ فی دن کے حساب سے وقت رکھتی ہیں اے ایم اور پی ایم یعنی دوپہر سے پہلے اور دوپہر کے بعد کے الفاظ ہر شخص بولتا ہے لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ ان کا مطلب کیا ہے اور یہ کب شروع ہوئے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ زمین کی گردش سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سورج اور ستارے آسمان پر سفر کر رہے ہیں۔

دن اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج مشرق سے نکلتا ہے اور اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب وہ مغرب میں غروب ہوتا ہے جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو آدھا دن گزر چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ دن کے وقت آسمان پر سورج کی پوزیشن سے ابتدائی انسان کو وقت کا اندازہ ہو جاتا تھا اور رات کے وقت یہی کام ستاروں کی مدد سے ہوتا تھا۔ وقت کی درستگی کا انحصار دوپہر کے بالکل صحیح لمحے پر ہے۔ ہم سب جہاں کہیں بھی ہوں ہمارے لئے دوپہر کا مطلب سورج کا بالکل سر پر ہونا ہے۔ اس کے لئے ایک فرضی خط کا تصور کیجئے جو شمال سے جنوب کی طرف جا رہا ہے۔ جب سورج آپ کا یہ خط عبور کر لیتا ہے تو آپ کے لئے دوپہر ہو جاتی ہے اور جب سورج ابھی اس کے مشرق ہی میں ہوتا ہے تو صبح کا وقت ہوتا ہے۔

جب سورج خط کو مکمل عبور کر لے تو سہ پہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ نصف دن کے لئے لاطینی کا لفظ میریڈیز ہے جس سے لفظ میریڈین بنا ہے چنانچہ اے ایم کا مطلب اینٹی میریڈین اور پی ایم کا مطلب پوسٹ میریڈین ہے۔ دنیا کے تمام اوقات کے زون تقریباً پندرہ ڈگری لمبے اور چوڑے ہیں یہ وہ فاصلہ ہے جس میں سورج ایک گھنٹے میں آسمان پر حرکت کرتا ہے۔ جو شخص اسی وقت کے زون میں رہتا ہے وہ اسی لمحے دوپہر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے آپ زون بدلتے ہیں وقت میں ایک گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے۔

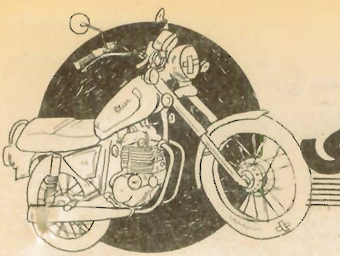

بیگ صاحب کی شہزادی

دوستو! یوں تو آپ نے بہت سی مافوق الفطرت چیزوں کے متعلق سُنا یا دیکھا ہو گا مگر ہمارے محلے میں ایک ایسی ہی شے ہے جسے دیکھ کر خداوندِ عالم کی تمام تر رعنائیوں پر شکر ادا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بھئی اب آپ خود ہی سوچئے آپ آرام سے مطالعہ کرنے میں مصروف ہوں اچانک یوں محسوس ہو جیسے زلزلہ آرہا ہے، کھڑکیاں دروازے لرزنے لگیں، ہاتھ پاؤں پھولنے لگیں، آنکھیں باہر کو اُبلنے لگیں اور مائیں ڈر کے مارے اپنے بچوں کو سینے سے لگالیں، لیکن ایک ہی منٹ بعد سب کچھ نارمل ہو جائے تو آپ خود ہی سمجھ جائیں گے ہو نا ہو یہ بیگ صاحب کی موٹر سائیکل ہے جو محلے میں داخل ہو چکی ہے۔ بیگ صاحب نہایت دھان پان سے آدمی ہیں موٹے سے شیشوں والی عینک جو سر ناک پر بس انکی ہی سمجھئے اور اس کے برعکس ان سے کہیں زیادہ ڈیل ڈول کی موٹر سائیکل، بیگ صاحب اس کی خرید و پیدائش کے متعلق بتاتے ہیں " بھائی اللہ بخشے، ہمارے دادا مرحوم کو یہ موٹر سائیکل انگریز حکومت نے ان کے عظیم اور شجاعت سے پُر کارناموں پر بخشی تھی۔ میرے دادا ابا نے اس کی خوب حفاظت کی پھر یہ میرے والد صاحب کے پاس آئی اور اب میرے قبضے میں ہے۔"

بیگ صاحب کی موٹر سائیکل کے کارنامے بھی عجیب ہیں جو نہایت سنگین ہونے کے ساتھ قدرے شوخ بھی ہیں۔ اب اسی بات کو ہی لیجئے کہ بیگ صاحب کی موٹر سائیکل جب مین روڈ پر آتی ہے تو کیا مجال ہے کہ کوئی گاڑی انہیں اوور ٹیک کرے، آپ پوچھیں گے بھئی وہ کیوں؟ سیدھی سی بات ہے کہ بیگ صاحب کی موٹر سائیکل دھواں ہی اس قدر چھوڑتی ہے کہ پیچھے آنے والے ڈرائیور حضرات کو کچھ نظر نہیں آتا، لیکن اس کے باوجود بیگ صاحب نے اپنی موٹر سائیکل کی سیٹ پر جلی حروف میں لکھا رکھا ہے۔ ANTI POLLUTION

بھئی اس خوبی کا ہمارے محلے کو بہت بڑا فائدہ ہے کہ جب برسات میں خبیث مچھروں کی بھرمار، ہوتی ہے تو ان کی موٹر سائیکل کا دھواں ہی ہے جو ان مچھروں کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہوتا ہے ایک بار تو میٹروپولیٹن کارپوریشن نے بیگ صاحب سے ایک ماہ کے لئے ان کی موٹر سائیکل مانگی تاکہ اسے پورے شہر میں گھمایا جائے اور مچھروں کو ناپید کیا جائے کیونکہ یہ بائیک سائیلنسر کے علاوہ بھی نہ جانے

جھٹکے کھاتی ہے کہ معدے کے علاوہ آنتوں کے بھی کس بل نکل جاتے ہیں اس طرح کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔"

"اچھا یہ بتایئے! اس کی صفائی آپ کتنے روز بعد کرتے ہیں"

"چھوڑیئے جی! صفائی کی کیا ضرورت ہماری سڑکوں پر پانی ہی اس قدر کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی نیچے سے خود ہی صفائی ہو جاتی ہے۔"

ایک بار بڑا ہی عجب حادثہ ہوا بات کچھ یوں تھی کہ ان دنوں اُڑن طشتریوں کی خبریں بڑی مشہور تھیں۔ ایک روز بیگ صاحب اپنے روائتی انداز میں موٹر سائیکل کو بغیر لاک کئے بینک کے سامنے کھڑا کر کے بینک کے اندر چلے گئے اور بینک کے باہر گویا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ اسے کوئی اڑن طشتری سمجھ بیٹھے اور چند منچلوں نے پولیس سٹیشن اور دیگر اخبار کے دفاتر فون کر ڈالے۔ کچھ ہی دیر بعد صحافیوں کا مجمع اکٹھا ہو گیا بیگ صاحب بینک سے باہر آئے تو اپنی بائیک کے گرد لوگوں کا رش دیکھ کر پریشان ہو گئے پھر صحافیوں نے جب دھڑا دھڑ ان کی موٹر بائیک کی تصاویر کھینچنا شروع کی تو تب کہیں جا کر انہیں اطمینان ہوا اور جب پتہ چلا کہ ان کی بائیک کو اُڑن طشتری سمجھا جا رہا ہے تو گھبرا گئے کہ کہیں ان کی موٹر بائیک عجائب گھر نہ پہنچا دی جائے۔ صحافیوں کو پتہ چلا تو یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے کہ "کھودا پہاڑ نکلا چوہا!!!"

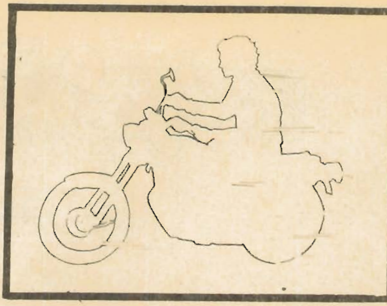

کہاں کہاں سے دھواں دیتی ہے۔ چلئے اب ذرا اس کی ساخت اور طول و حجم پر بحث ہو جائے۔ اس کی ہیڈ لائٹ روشن تو ضرور ہوتی ہے لیکن بس "دیے" کی مانند۔ ٹینکی تو گویا کسی پہلوان کے بے ہنگم پیٹ کی طرح پھولی ہوئی ہے اور بریک تو بیگ صاحب نے بس تکلفاً لگائے ہیں۔ سیٹ بھی اچھی خاصی سلائیڈ ہے آپ سیٹ کے پچھلے سرے پر بیٹھیں تھوڑی دیر بعد خود کو ٹینکی کے پاس پائیں گے۔ سپیڈو میٹر تو کب کا فیل ہو چکا ہے لہٰذا آپ جب چاہیں اس کی سوئی کو نوے پر یا جب چاہیں ساٹھ پر کر لیں۔

ایک بار ہم نے ان سے پوچھا "بیگ صاحب! سُنا ہے کہ یہ آپ کے گھر کا حکیم ہے؟ ذرا روشنی ڈالئے؟" بیگ صاحب قدرے برہم ہوئے پھر فرمانے لگے "جب گھر میں کسی کو بد ہضمی کی شکایت ہوتی ہے تو میں اسے اسی پر سیر کرواتا ہوں۔" "معاف فرمایئے گا بیگ صاحب بد ہضمی کا آپ کی موٹر سائیکل سے کیا تعلق؟" ہم نے کہا تو وہ گویا ہوئے "میری شہزادی چلتے ہوئے اس قدر

اخبار آنکھ مچولی

لعل بخش، کراچی

سزا ملی بھی تو کیسی

نپولین کی فوج میں ساواں نامی ایک شخص ملازم تھا۔ "آوَن" کے ایک مقام پر ایک دفعہ جب اسے ایک سرکاری کام کرنے کو کہا گیا تو اس نے جواب دیا "میں کام کرنے کے لائق نہیں ہوں۔ میری کمزوری اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب صرف بیٹھنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔" اس حکم عدولی کے پیش نظر اور کسی حد تک اس کی کمزوری اور خواہش کے احترام میں اسے یہ سزا سنائی گئی کہ وہ اس وقت تک مُرغی کے انڈوں پر بیٹھا رہے گا جب تک انڈوں میں سے چُوزے نہ نکل آئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس پر یہ پابندی بھی لگادی گئی کہ کوئی انڈہ ٹوٹنے بھی نہ پائے۔ چنانچہ وہ مسلسل کئی دنوں تک مُرغی کے انڈوں پر بیٹھا رہا۔ اسے اس عذاب سے اس وقت نجات ملی جب انڈوں سے واقعی خوبصورت ننّھے ننّھے چُوزے بر آمد ہوگئے۔

کانی رجمنٹ

۱۸۴۰ء میں فوج کی ملازمت اتنی سخت تھی کہ بعض فوجیوں نے اس خیال سے کہ انہیں ناکارہ سمجھ کر فوج سے ڈسچارج کردیا جائے، اپنی ایک ایک آنکھ پھوڑ دی۔ لیکن مصر کے ایک بادشاہ محمد علی نے دو ایسی انفنٹری رجمنٹ بنائیں جن کے تمام سپاہی ایک آنکھ سے کانے تھے۔ یہ رجمنٹ ۵۰ سال تک قائم رہی۔

مصنوعی زبان

دو بھارتی سائنس دانوں نے مصنوعی زبان تیار کرلی ہے۔ یہ زبان ایسے مریضوں کو لگائی جائے گی جن کی زبان کینسر کی وجہ سے کاٹ دی جاتی ہے۔ اس زبان کو حلق سے نیچے اتارا جاسکے گا اور اس طرح یہ مصنوعی زبان بولنے کا کام انجام دے سکے گی۔

اکبر الہ آبادی

اکبر کی بُرائی اچھائی تو پوچھ محلّے والوں سے
نظم ان کی سُنی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

اکبر الہ آبادی کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ نے نہایت مزے مزے کے شعر کہے ہیں۔ اکثر لوگوں کو ان کے اشعار زبانی یاد ہیں۔ آپ نے بھی کورس کی کتابوں میں ان کا کلام پڑھا ہو گا۔ اکبر ۱۶ نومبر ۱۸۴۵ء کو ضلع الہ آباد کے قصبہ بارہ میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور ریاضی کی تعلیم

حاصل کی۔ ۱۸۷۲ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور کچھ عرصے تک وکالت کرتے رہے۔ ۱۸۸۰ء میں جج اور پھر سیشن جج مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ ۱۸۹۸ء میں آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا۔ ستمبر ۱۹۲۱ء ...... میں ۷۵ سال کی عمر میں الہ آباد میں انتقال ہوا۔

اکبر مغربی تہذیب کے بڑے سخت مخالف تھے۔ جس زمانے میں انہوں نے شاعری شروع کی تو ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا اور مغربی تہذیب کے اثرات پھیل چکے تھے۔ مشرقی تہذیب آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی۔ مذہب کی جگہ سائنس کی اہمیت تسلیم کی جانے لگی تھی۔ اکبر نے اپنی شاعری میں ان ہی موضوعات کو اپنایا اور نہایت طنزیہ انداز میں مغربی تہذیب کا مذاق اڑایا اور مشرقی تہذیب کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اکبر کے کچھ منتخب اشعار ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ آپ پڑھیں اور لطف اٹھائیں۔

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا — دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر — گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
جوانی کی دُعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں — یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر
کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ — آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک
شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں — میں تو انگریز ہی سے ڈرتا ہوں
تم اگلو چاہو برائی نہ کسی کی اکبر — پھر تمہارا بھی جہاں میں کوئی بد خواہ نہ ہو
سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے — مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ
مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا — انسان اُڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے
سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے — وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے
قوم کی تاریخ سے جو بے خبر ہو جائے گا — رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائے گا
پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو، لانا — ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا
آگے انجن کے دین ہے کیا چیز — بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز
واحسرتا کم ہو گیا اسلام کے قانون سے — دب گئی آخر مسلمانی میری پتلون سے
نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلمان رہے — عمر سب مُفت میں کھویا کئے نادان رہے
حُکام پہ بم کے گولے ہیں اور مولویوں پر گالی ہے — کالج نے یہ کیسے سانچوں میں لڑکوں کی طبیعت ڈھالی ہے
ہم کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے — بی اے ہوئے، نوکر ہوئے، پنشن ملی پھر مر گئے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
زندگی تھی ہی مصیبت موت بھی برباد ہے
ماسٹر ہیں نزع میں لڑکوں کی شامت دیکھئے
بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہو گا
تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
کیونکر کہوں طریقِ عمل ان کا نیک ہے

یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی
کس قدر اس دور میں بگڑا ہوا ہے دین ہائے
ان کا فوٹو لیتے ہیں پڑھتے نہیں یلیین ہائے
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہو گا
جائز ہے غباروں میں اُڑو چرخ پہ جھولو
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو
جب عید میں بجائے سوئیوں کے کیک ہے

خطرناک غلطیاں

☆ اس خیال میں رہنا کہ میں ہمیشہ تندرست، خوبصورت اور تونگر ہی رہوں گا۔

☆ اس نیت سے عیب کرنا کہ صرف دو چار مرتبہ کر کے چھوڑ دوں گا۔

☆ اپنا راز کسی دوسرے کو بتا کر اس کے پوشیدہ رکھنے کی درخواست کرنا۔

☆ ہر ایک انسان کے متعلق ظاہری صورت دیکھ کر رائے قائم کرنا۔

☆ کسی کام کو ادھورا چھوڑ کر دوسرے وقت پر مکمل کرنے کی امید رکھنا۔

☆ اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا اور کسی خدائی عطیہ کا امیدوار رہنا۔

☆ اپنے ماں باپ کی خدمت نہ کرنا اور اولاد سے اس کی توقع رکھنا۔

☆ جو کام اپنے سے نہ ہوسکے اسے سب کے لئے ناممکن خیال کرنا۔

☆ لوگوں کی تکلیف میں حصہ نہ لینا اور پھر ان سے ہمدردی کی امید رکھنا۔

☆ بغیر کسی ذریعہ اطمینان کے محض کسی کی قسم پر اعتبار کرنا۔

☆ بیکاری میں آئندہ کے لئے خیالی پلاؤ پکانا اور خوش رہنا۔

☆ تمام انسانوں کو اپنے خیال پر لگانے کی کوشش کرنا۔

☆ آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانا اور ہر ایک شیریں زبان کو دوست سمجھنا۔

☆ دوسروں کی موت کو دیکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس سے بَری سمجھنا۔

☆ بُرا کام کرتے وقت، برا کلام کہتے وقت ہر دیوار کو کان اور دروازے کو آنکھ نہ سمجھنا۔

☆ اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقلمند اور لائق آدمی تصور کرنا۔ مرسلہ : راشد منیر، مظفر گڑھ

انسان کا دشمن نمبر ایک

عالیہ صلاح الدین

ترکاریاں، پھل، مچھلی، گوشت اور کھانے کی دوسری اشیا اگر زیادہ دیر رکھی جائیں تو خراب ہوجاتی ہیں۔ آپ نے کبھی سوچا کہ یہ خراب کیوں ہوجاتی ہیں؟

آپ نے پروٹین کا نام تو سُنا ہوگا۔ پروٹین صحت اور تندرستی کے لئے بے حد ضروری ہے۔ مچھلی، انڈے، مکھن، اور دودھ میں بہت اچھے پروٹین ہوتے ہیں لیکن ان چیزوں کو زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رکھا جاسکتا کیوں کہ یہ سڑ جاتی ہیں۔ آپ نے بڑوں سے سُنا ہوگا کہ وہ بچّوں کو بازار کی گلی سڑی چیزیں کھانے سے منع کرتے ہیں۔ ایسا وہ اس لئے کرتے ہیں انہیں معلوم ہوتا ہے گلی سڑی چیزوں کی پروٹین بچّوں کے لئے زہر بن جائے گی اور وہ سخت بیمار پڑجائیں گے۔ آپ نے بیکٹیریا (جراثیم) کا نام سُنا ہوگا۔ یہ بہت چھوٹے جاندار ہوتے ہیں اِن کا جسم صرف ایک خلیے پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ انسانی آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ انہیں نہایت طاقتور خوردبین سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

بیکٹیریا چوں کہ غذا تیار نہیں کرسکتے اس لئے یہ تیار شدہ غذا کھاتے ہیں جس چیز پر یہ نشوونما پاتے ہیں، اس کو بطورِ غذا استعمال کرتے ہیں۔

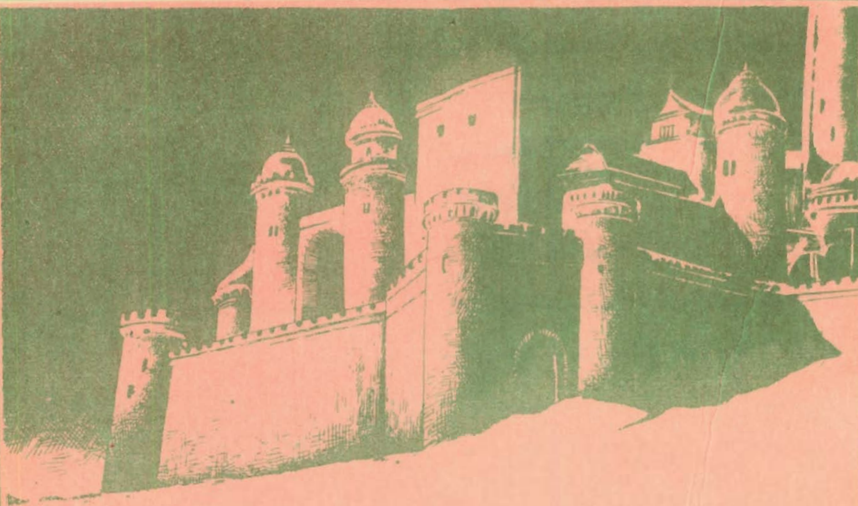

اللہ اکبر

شبنم عمر

فتح کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک شہر میں داخل ہوئے جہاں جگہ جگہ کھانے پینے کی چیزوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ تمام ساتھی بے حد خوش ہوئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا : "تم کس بات پر اتنے خوش ہو رہے ہو ذرا یہ بھی تو سوچو کہ ایک ایک دانے کا حساب بھی ہمیں ہی چکانا ہے!!"

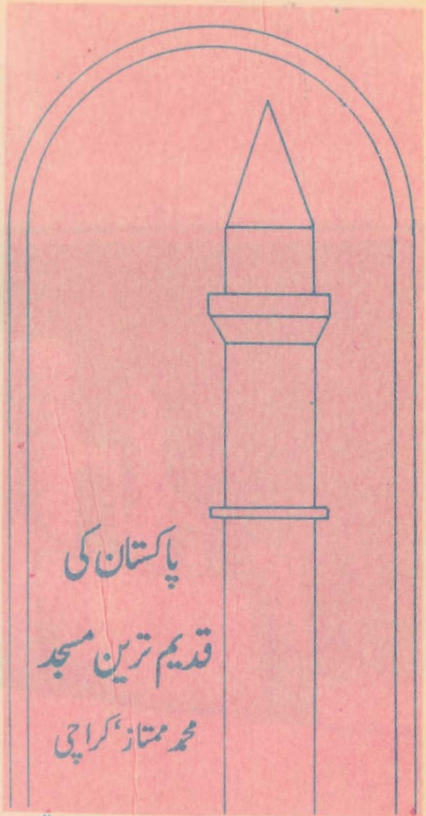

پاکستان کی قدیم ترین مسجد

محمد ممتاز، کراچی

دیبل سرزمین سندھ کی مشہور بندرگاہ تھی اور موجودہ بھنبھور اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ دیبل کہلاتا تھا۔ بھنبھور کے کھنڈرات خلیج گھارو کے شمالی کنارے پر شاہراہِ حیدرآباد پر کراچی سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ۱۹۵۸ء سے اس مقام پر کھدائیوں کا ایک سلسلہ جاری ہے جس سے یہ حقیقت منظر عام پر آگئی ہے کہ ان کھنڈرات میں ایک مضبوط قلعہ بند شہر پناہ اور دوسرے حصہ میں ایک بیرونی شہر (جس میں ایک صنعتی علاقہ اور اس کے باہر ایک قدیم قبرستان شامل ہیں) محققین اور ماہرین کے بیان کے مطابق یہی وہ مقام ہے جسے فتح کرنے کے لئے ایک عرب سپہ سالار محمد بن قاسم ایک لشکر جرار لے کر یہاں وارد ہوا اور رفتہ رفتہ سندھ کے سارے علاقے کو فتح کر ڈالا۔ محمد بن قاسم نے ۹۲ میں سندھ کو فتح کرنے کے بعد بھنبھور میں عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی۔

آثار قدیمہ کی تلاش میں بھنبھور کی کھدائیوں کے دوران قلعہ میں جو سب سے اہم اور دلچسپ عمارت دریافت ہوئی وہ غالباً" یہی جامع مسجد ہے۔ جو شہر کے وسط میں واقع ہے اس کے صحن میں جو کتبات ملے ہیں وہ مصفی پتھروں پر خط کوفی میں کندہ ہیں تاریخی نقطہ نظر سے یہ کتبات بہت دلچسپ اور معلوماتی ہیں کیونکہ ان پر بہت سی معلومات درج ہیں جو مورخین اور محققین کی تحقیق و تصنیف میں مشعل راہ کا کام دیں گی۔ ان کتبات میں سے ایک پر ۷۲۷ شمسی کندہ ہے یہ تاریخ دیبل کی فتح کی تاریخ سے بہت قریب ہے اور اس بنا پر بلاشک و شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسجد برصغیر پاک و ہند کی قدیم ترین مسجد ہے۔ اس کے اضلاع کی پیمائش کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ مسجد قریب قریب مربع تعمیر کی گئی تھی

اس کی بیرونی دیواریں پختہ اور منقش پتھروں سے مزین ہیں۔اس کے صحن میں اینٹوں کا فرش لگایا گیا تھا۔ اس کے تین اطراف میں دالان اور گردشیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ دالان اس وقت چھوٹے چھوٹے حجروں میں تقسیم تھے جن میں یا تو برگزیدہ افراد مصروف عبادت ہوں گے اور یا درس و تدریس کے لئے استعمال ہوتے ہوں گے۔اس کے چوتھی سمت ایک وسیع ایوان کے آثار بھی موجود ہیں جن میں ستونوں کے پایوں کی موجودگی اس بات کی شاہد ہے کہ اس کی چھت ۳۳ ستونوں پر قائم تھی یوں تو اس مسجد سے بکثرت دلچسپ چیزیں دریافت ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ وضو کرنے کا چبوترہ ہے جس کے فرش پر کچھ چراغ بکھری ہوئی حالت میں ملے ہیں ان شواہد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخری دور میں یہ چبوترہ بطور گودام استعمال ہوتا ہوگا جس پر غالباً" مٹی کے چراغ رکھے جاتے تھے قریب ہی ایک پختہ نالی اور اس میں لوٹوں کے ٹکڑوں کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ چبوترہ وضو کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اور اس نالی کے ذریعہ وضو کا پانی باہر نکالا جاتا تھا۔مسجد میں داخل ہونے کے لئے تین اطراف دروازے بنائے گئے تھے شمال اور مشرقی جانب بڑے دروازے اور مغربی جانب چھوٹا جس کے ساتھ ہی کچھ سیڑھیاں بھی تھیں مشرقی جانب غالباً" مسجد کا صدر دروازہ تھا جو اس وقت شکستہ حالت میں ہے اور اس دروازے کے قریب خط کوفی میں تحریر شدہ ایک بڑے کتبے کے ٹکڑے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔شمالی دروازہ زمانے کی دست برد سے محفوظ رہا ہے اس لئے وہ اچھی حالت میں ہے۔اس کے اندرونی حصے میں لکڑی کی چوکھٹ اور دہلیز کے نشانات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ چوکھٹے لوہے کی کیلوں کے ساتھ نصب کئے گئے تھے۔اس دروازے کے پاس سے مصفا منقش اور تحریر شدہ پتھر کثیر تعداد میں ملے ہیں جن کی موجودگی اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ ان پتھروں کے سامنے والی دیوار کو آراستہ کیا گیا ہوگا۔مغربی سمت کی دیوار جو بہت بوسیدہ اور شکستہ حالت میں ہے اس میں محراب کے کوئی شواہد نظر نہیں آتے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد بغیر محراب کے بنائی گئی تھی اگر یہ واقعی بغیر محراب کے بنائی گئی تھی تو اس کا خاکہ بعینہٖ ان مسجدوں کے مشابہ ہے جو کہ کوفہ اور واسط میں.... ۷۰۲ شمسی میں تعمیر کی گئی تھیں بہرحال ماہرین حضرات کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ یہ مسجد آٹھویں صدی میں تعمیر ہوئی اور تیرہویں صدی تک قائم رہی کیونکہ اس زمانے کے شواہد بہت واضح اور نمایاں ہیں!!

اس کی طرف دھیان رکھیں

انتخاب : نداشارق، کراچی

جب بھی ہم کوئی کام کریں
بسم اللہ پڑھ لیا کریں
اللہ پر ایمان رکھیں
اس کی طرف دھیان رکھیں
اس کی ذات کریم ہے
اس کا نبیؐ عظیم ہے
اس سے ہمیں قرآن ملا
اس سے ہمیں ایمان ملا
آؤ ہم سب نیک بنیں
نیک بنیں اور ایک بنیں

اندر کا عکس

راحیل قریشی

رابی کھانا کھانے کے بعد جیسے ہی کاشف کے گھر جانے کے لئے گھر سے نکلا اسے کاشف آتا دکھائی دیا۔ "کاشف میں تمہارے پاس ہی آرہا تھا۔" رابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں خیریت؟" کاشف نے حیرانی سے پوچھا۔

"خیریت بھی ہے اور تمہارے لئے خوشخبری بھی"

"کیسی خوشخبری؟"

یہ دیکھو! رابی شرٹ کی جیب سے تہہ کیا ہوا اخبار نکالتے ہوئے بولا۔ بچوں کے ایک ماہنامے نے بچوں کے درمیان مقابلہ مضمون نویسی بعنوان "اخلاق اور انسان" منعقد کرنے کا اعلان کیا ہے۔

پہلا انعام حاصل کرنے والے کو ۵۰۰۰ ہزار روپے انعام میں دیئے جائیں گے۔"

کاشف رابی کے خاموش ہونے پر بولا!

"لیکن تم یہ سب مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

رابی نے اس کا کندھا تھپک کر کہا۔ "اس لئے کہ تم ایک اچھے ادیب ہو مقابلے میں حصہ لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ پہلا انعام تم کو ہی ملے گا۔"

"پہلا انعام تم کو ہی ملے گا۔ ہنہ!" کاشف نے رابی کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "جیسے وہاں صرف بہتر لکھنے والا میں ہی ہوں گا؟؟؟"

"ہمت کرے انسان تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔" رابی نے کہا اور کاشف کچھ سوچنے لگا۔

"اچھا چلتے ہیں پھر کل ملاقات ہوگی۔ کل تک میں مضمون بھی شاید لکھ لوں۔" "اچھا خدا حافظ!"

☆ --- ☆ --- ☆

رابی اور کاشف گہرے دوست تھے دونوں کا کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق تھا اور دونوں ایک اسکول میں ہم جماعت تھے۔ کاشف جو ایک ذہین طالب علم ہونے کے ساتھ ایک بہترین ادیب بھی تھا اور مختلف اخبارات و رسائل کی جانب سے متعدد انعامات بھی حاصل کر چکا تھا۔

آج بھی جب رابی نے اسے بچوں کے ایک ماہنامے کی جانب سے مقابلہ مضمون نویسی کی نوید سنائی تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا......!

کاشف نے مضمون مکمل کر کے قلم رکھا ہی تھا کہ رابی آن دھمکا۔ ''تم تو کہہ رہے تھے کہ کل ملاقات ہوگی!'' کاشف بولا۔

''اور تم بھی تو کہہ رہے تھے کہ مضمون کل تک مکمل ہو جائے گا! آج کیسے ہوا؟''

''مگر تمہیں کیسے پتا چلا؟'' کاشف کے لہجے میں حیرت تھی۔

''تمہارے چہرے پر چمکتی ہوئی مسکراہٹ دیکھ کر۔'' رابی مسکراتا ہوا بولا۔

''تو پھر پہلا انعام پکا ہے ناں؟'' جواب میں کاشف کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

☆ --- ☆ --- ☆

لان کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا! یہ تھا بھی خوشی کا موقع کیونکہ کاشف کو اخلاق اور انسان کے عنوان پر بہترین مضمون کا پہلا انعام ملا تھا اس لئے کاشف کے ڈیڈی نے اپنے عزیزوں کو ایک پارٹی دینے کا اعلان کیا تھا اور تمام لوگ اس سلسلے میں ہی کاشف کے گھر جمع تھے کاشف اپنے دوستوں رابی وغیرہ کے جھرمٹ میں نمایاں نظر آ رہا تھا کہ اچانک ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ جسے دیکھ کر تمام لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ کاشف کے مالی کا بیٹا جو کہ اس کا ہم عمر تھا۔ جھجھکتا ہوا آیا اس کے ہاتھ میں تازہ پھولوں کا گلدستہ تھا۔ جس کی خوشبو سارے ماحول کو معطر کر رہی تھی۔

''صاحب! آپ کو پہلا انعام مبارک!'' ابھی اس کے الفاظ منہ میں ہی تھے کہ کاشف ناک پر رومال رکھتے ہوئے چیخا۔ ''بے وقوف تمہیں یہاں آنے کو کس نے کہا تھا؟ جاؤ جاؤ اور یہ اپنا گندہ پھول مجھ سے دور رکھو!'' اتنا کہتے ہوئے کاشف نے ہاتھ مار کر گلدستہ گرا دیا اور اپنے پیروں تلے روندتا ہوا دوستوں کے ساتھ لان سے باہر چلا گیا۔

رابی نے حیرانی سے کاشف کے اندر کے عکس کو دیکھا اور سوچا۔ ''کاش! کہ انعام دینے والی کمیٹی کاشف کے مضمون میں اس کے اندر کے عکس کو پکڑ سکتی۔ پھر آگے بڑھ کر رابی نے بکھرا ہوا گلدستہ اُٹھایا اور پھر مالی کے لڑکے کے کاندھے پر بڑی محبت سے ہاتھ رکھا جس کی

آنکھوں میں حیرت بھی تھی اور آنسو بھی۔

"دیکھو دوست! آدمی اندر سے جیسا ہوتا ہے۔ اس کا باہر کا عکس بھی وہی آتا ہے۔ اور تم ...... تم تو بہت اچھے ہو تمہارے اندر خلوص کے پھولوں کی خوشبو ہے جو ایک دن دنیا کو مہکائے گی۔ اخلاقیات اور انسانیت کی خوشبو ...... کیا تمہارا یہ خوبصورت گلدستہ میں لے سکتا ہوں؟"

رابی نے مالی کے لڑکے کے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔ لڑکے کا جواب اثبات میں پاتے ہی رابی نے خوشبو کو سانسوں میں سمیٹ لیا۔

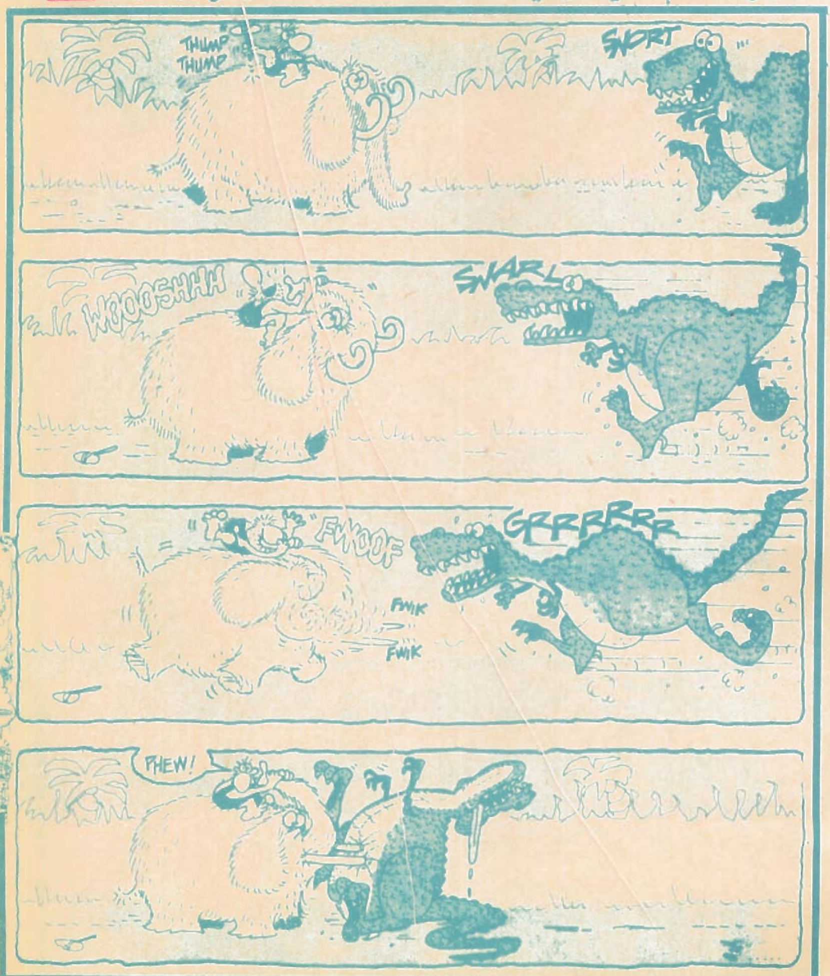

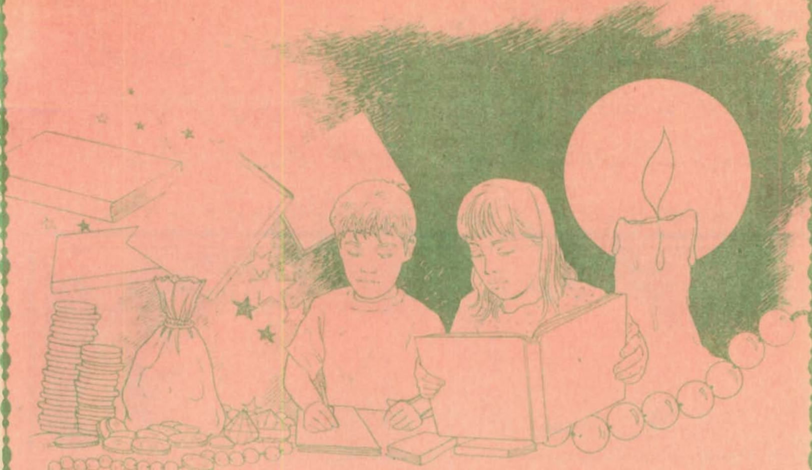

دیئے سے دیا تم جلاتے چلو
جہالت کے پردے ہٹاتے چلو
دلوں سے کدورت کی ظلمت مٹے
محبّت کی شمعیں جلاتے چلو
عزائم ہوں پختہ تو ہنس کھیل کر
مصائب کو دل سے لگاتے چلو
نئے دور کے ہیں تقاضے نئے
نئی راہ سب کو دکھاتے چلو
مرے آسماں کے ستارو اُٹھو
یہ پیغام گھر گھر سُناتے چلو

انتخاب
اسداللہ

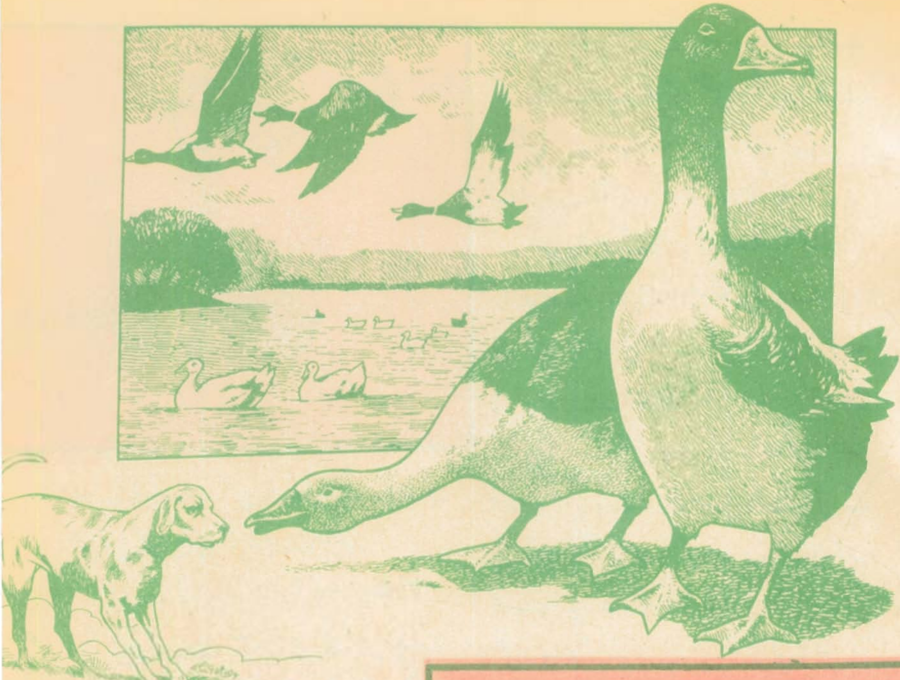

بی بطو کی چونچ

فرخندہ ضیاء بھاولپور

"کیا بات ہے بی بطو آج بڑی اداس دکھائی دے رہی ہو۔" امجد نے پوچھا۔

بی بطو بولی۔ "امجد میاں یہ جو ببو ہے مجھے بہت تنگ کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی میرا گھر بدل ڈالو۔"

"تم دونوں کی تو لڑائی ختم ہی نہیں ہوتی۔ اچھا میں کچھ سوچتا ہوں۔" یہ کہہ کر امجد باہر چلا گیا۔

بی بطو، ببو اور نمی یہ جانور امجد نے اپنے گھر میں پال رکھے تھے۔ ببو ایک چھوٹے قد اور سفید رنگ کا کتا تھا اور نمی بڑی ہی معصوم چھوٹی سے بکری تھی۔ نمی تو ہر وقت ادھر ادھر پھرتی۔ کسی کو کچھ نہ کہتی مگر بی بطو تو نمی کو بھی نہ چھوڑتی۔ ہر وقت قیں قیں کرتی اور کوئی نہ کوئی کام خراب کر کے ببو اور نمی کا نام لگا دیتی۔ زیادہ لڑائی بی بطو کی ببو سے ہوتی تھی۔ ببو بھی ذرا تیز طرار تھا۔ ہر کام جلد ہی کر لیا کرتا تھا۔

آج تو بی بطو کو بڑا غصہ تھا کہ ببو نے اس کا پینے کا پانی گرا دیا تھا۔ بی بطو آج سارا دن منہ

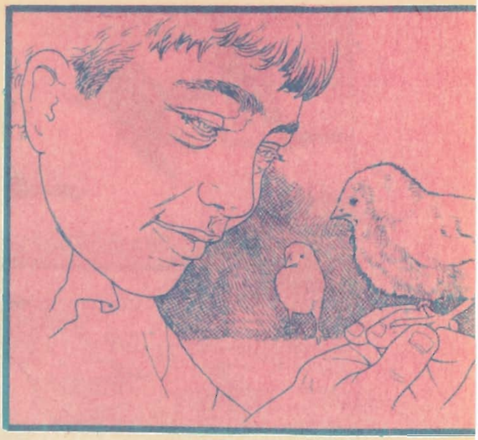

پھلائے پھرتی رہی۔ کسی سے کوئی بات نہ کی۔ نمی بھی آج کچھ پریشان تھی تو ببو نے پوچھا۔

کیا بات ہے نمی، تم کیوں پریشان سی ہو؟"

"ہاں ببو بھیا۔ دیکھو آج کتنے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ لگتا ہے بارش آئے گی اور میرا گھر پچھلی طرف سے تھوڑا سا ٹوٹ گیا ہے۔ تو بارش کا پانی اندر آجائے گا۔"

ببو نے کہا۔ "ارے پیاری نمی تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ آؤ مل کر وہاں ایک پتھر رکھ دیتے ہیں۔ تو پھر پانی اندر نہیں آئے گا۔" نمی بڑی خوش ہوئی۔ دونوں نے مل کر ایک چھوٹا سا پتھر سوراخ کے آگے رکھ دیا۔ شام ہو چکی تھی۔ بادل بھی گرج رہے تھے۔ امجد آیا اس نے سب کو بتایا کہ آج بہت بارش ہوگی۔ اس لئے آج پہلے ہی اپنے اپنے گھر میں گھس جاؤ تاکہ میں اوپر کوئی کپڑا ڈال دوں۔ امجد کے کہنے پر ببو اور نمی اپنے اپنے گھر چلے گئے اور بی بطو بھی مٹکتی ہوئی اپنے گھر میں جا بیٹھی۔ امجد سب کے ڈربے اچھی طرح بند کر کے اور اپنا دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔

مگر بی بطو کو کیسے چین آئے۔ جب تک وہ ہر رات سونے سے پہلے ببو کو تنگ نہ کرلے اسے نیند نہیں آتی۔ بی بطو نے سوچا "آج تو خوب بارش ہوگی کیوں نا میں ببو کے گھر کے دروازے کی کنڈی باہر سے کھول دوں تاکہ رات کو ہوا سے دروازہ کھل جائے اور ببو ساری رات بارش کے پانی سے بھیگتا رہے۔" بی بطو نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ اپنے گھر واپس آئی تو بارش شروع ہو چکی تھی۔ وہ بھاگ کر ڈربے میں گھسنے لگی تو اس کی چونچ دروازے میں پھنس گئی۔ بی بطو چلائی "قیں قیں قیں"

ببو بی بطو کی آواز سن کر اٹھ بیٹھا اور باہر دیکھا تو بطو بارش میں بھیگ رہی ہے اور اس کی چونچ دروازے میں پھنس گئی ہے۔ ببو نے جلدی سے دروازے کو زور لگا کر کھینچا تو دروازہ ٹوٹ گیا اور بی بطو کی چونچ نکل تو گئی مگر ایک طرف سے تھوڑی سی ٹوٹ گئی۔ اب شرم کے مارے اس نے اپنا منہ نیچے جھکالیا۔ ببو نے کہا۔ بی بطو تم میرے گھر چلو تمہارا گھر تو ٹوٹ گیا اور بارش کا پانی اندر آجائے گا۔ آج کی رات تم میرے ساتھ

گزار لو۔ بی بطو منہ کو جھکائے ببو کے ساتھ چل دی۔ ساری رات اس نے اپنے منہ کو چھپائے رکھا۔

صبح ہوئی تو امجد باہر آیا۔ اس نے دیکھا کہ بی بطو ڈربے میں نہیں ہے اور ڈربہ بھی ٹوٹ چکا ہے امجد نے آواز دی۔ "بی بطو۔ بی بطو تم کہاں ہو؟" تو بی بطو ببو کے گھر سے منہ کو جھکائے ہوئے نکلی اور معافی مانگنے لگی۔ "امجد میاں اور ببو بھیا مجھے معاف کردو۔ میں نے رات کو ببو کو بارش میں بھیگنے کے لئے اس کے گھر کا دروازہ کھول دیا تھا۔ مگر رات کو ببو نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر میری جان بچائی۔ مجھے معاف کردو ببو بھیا۔"

جب ببو نے لفظ بھیا سنا تو چونک پڑا کیونکہ بی بطو نے کبھی اسے بھیا نہیں کہا تھا۔ ہر وقت نام بگاڑ کر بولتی تھی۔ ببو نے بی بطو کو معاف کردیا اور نمی نے بھی اس کی غلطیوں کو معاف کردیا۔

امجد بولا۔ "بی بطو تم نے منہ کیوں جھکا رکھا ہے۔ اب تو تمہیں سب نے معاف کردیا ہے۔ اپنا منہ تو اوپر کرو۔ بی بطو ڈرتی تھی کہ اس نے منہ اوپر کیا تو اس کی ٹوٹی ہوئی چونچ دیکھ کر سب اس کا مذاق اڑائیں گے مگر جب اس نے منہ اوپر اٹھایا تو کسی نے اس کا مذاق نہیں اڑایا بلکہ سب نے ہمدردی کی کیونکہ وہ سب تو بی بطو کے دوست تھے۔

"علم"

○ علم کی محبت اور استاد کی عزت کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔

○ علم ایک ایسا سفر ہے جس کی آخری کوئی منزل نہیں۔

○ علم ایک ایسا پودا ہے جسے اگر ایک شخص لگائے تو اس کا پھل ہر انسان کھاتا ہے۔

○ علم دل کو اس طرح زندہ رکھتا ہے جیسے بارش زمین کو۔

○ علم وہ پھول ہے جس سے ساری دنیا معطر رہتی ہے۔

○ علم سمندر کے طرح ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

○ علم انسان کی تیسری آنکھ ہے۔

○ علم ایک ایسا لباس ہے جو کبھی پرانا نہیں ہوتا۔

مرسلہ ...... مُنیر احمد، نواب شاہ

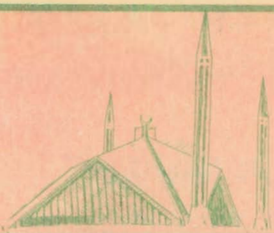

شہروں کے نام کیسے پڑے

رانا محمد شاہد، بورے والا

اسلام آباد : ۱۹۵۹ء میں مرکزی دارالحکومت کا علاقہ قرار پایا۔ اس کا نام مسلمانانِ پاکستان کے مذہب اسلام کے نام پر اسلام آباد رکھا گیا۔

راولپنڈی :

یہ شہر راول قوم کا گھر تھا۔ چوہدری جھنڈے خان راول نے پندرھویں صدی میں باقاعدہ اس کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۵۹ء میں اسے دارالحکومت کی حیثیت ملی۔

کراچی :

۲۰۰ سال قبل یہ ماہی گیروں کی بستی تھی۔ کلاچو نامی بلوچ کے نام پر اس کا نام کلاچی پڑ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ کراچی بن گیا ۱۹۲۵ء میں اسے شہر کی حیثیت دی گئی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۹ء تک یہ پاکستان کا دارالحکومت رہا۔

حیدر آباد :

اس کا پرانا نیرون کوٹ تھا۔ کلہوڑوں نے اسے حضرت علیؓ کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام حیدر آباد رکھ دیا۔ اس کی بنیاد غلام کلہوڑہ نے ۱۷۶۸ء میں رکھی۔ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے شہر پر قبضہ کیا۔ اور ۱۹۳۵ء میں ضلع بنا۔

پشاور :

پیشہ ور لوگوں کی نسبت سے اس کا نام پشاور پڑ گیا۔ دوسری روایت کے مطابق محمود غزنوی نے اسے یہ نام دیا۔

کوئٹہ :

لفظ کوئٹہ 'کواٹا سے بنا ہے۔ جس کے معنی قلعے کے ہیں۔ بگڑتے بگڑتے کواٹا سے کوئٹہ بن گیا۔

سرگودھا :

یہ سر اور گودھا سے مل کر بنا ہے' ہندی میں سر تالاب کو کہتے ہیں گودھا ایک فقیر کا نام تھا۔ جو تالاب کے کنارے رہتا تھا۔ اسی لئے اس کا نام گودھے والا سر بن گیا۔ بعد میں سرگودھا کہلایا۔ ۱۹۰۳ء میں باقاعدہ آباد ہوا۔

غصّہ ہے انسان کا دشمن

غصّہ ہے انسان کا دشمن
یہی اجاڑے اس کا گُلشن

وہ انسان بڑا کہلائے
غصّے پر جو قابو پائے

غصّہ اندھا کردیتا ہے
نفرت دل میں بھر دیتا ہے

غصّہ عقل کی دولت کھائے
اپنے ساتھ بہا لے جائے

علم کی راہ پر آنا سیکھو
غصّے کو پی جانا سیکھو

ناز کی ہے یہ رب سے دعا
غصّے سے ہر اک کو بچا

طاہر ناز انصاری

مُڑے ہوئے ہاتھ

عمر خان
بہاولپور

سردیوں کے دن تھے۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ نومی ماموں کے گھر سے واپس آرہا تھا۔ راستے میں اسے ایک بوڑھا نظر آیا جو کہ مونگ پھلیاں بیچ رہا تھا۔ بوڑھا شکل سے بڑا غریب دکھائی دیتا تھا۔ نومی کو مونگ پھلیاں بہت پسند تھیں۔ چنانچہ اس نے بوڑھے سے تین روپے کی مونگ پھلیاں دینے کو کہا۔ جب نومی بوڑھے سے مونگ پھلیاں لینے لگا تو اس کی نظر بوڑھے کے ہاتھوں پر پڑی جو مُڑے ہوئے تھے۔ نومی ڈر کے وہاں سے بھاگا، راستے میں اس کو اس کا دوست واجد مل گیا۔ واجد نے نومی سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے نومی تم بڑے گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو؟'' نومی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا ''یار کچھ نہ پوچھو!'' واجد نے پوچھا ''آخر بات کیا ہے؟'' نومی نے جواب دیا ''میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جس کے ہاتھ مُڑے ہوئے ہیں۔'' واجد نے کہا ''دیکھو! اس کے ہاتھ ایسے تو نہیں تھے۔'' نومی نے پھر چیخ ماری کیوں کہ واجد کے ہاتھ بھی اسی بوڑھے جیسے تھے۔

نومی وہاں سے بھی بھاگا۔ وہ سخت خوفزدہ تھا۔

راستے میں ایک رکشے والا دکھائی دیا تو نومی نے اسے روکا۔ ''بھائی مجھے لالوکھیت کے قریب اُتار دو۔'' رکشے والا راضی ہو گیا۔ رکشہ چل پڑا تو رکشے والے نے پوچھا ''کیا بات ہے بیٹا! تم بڑے گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو؟'' نومی نے جواب دیا ''آج نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے اب تک دو لوگوں کے ہاتھ مُڑے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔'' ''اس طرح تو نہیں؟'' رکشے والے نے اپنے ہاتھ دکھائے جو مُڑے ہوئے تھے۔ نومی نے چلتے ہوئے رکشے سے چھلانگ ماری اور گرتا پڑتا گھر پہنچ گیا۔

دروازہ اس کی امی نے کھولا۔ ''کیا بات ہے بیٹا؟ تم بڑے گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو؟'' جواب میں نومی نے انہیں سارا قصہ سُنایا۔ یہ سُن

کرامی نے پوچھا "ان کے ہاتھ ایسے تو نہیں تھے؟"
امی کے ہاتھ دیکھ کر نومی نے پھر چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا کیوں کہ امی کے ہاتھ بھی مُڑے ہوئے تھے۔ نومی کو جب ہوش آیا تو امی اس کے سر ہانے بیٹھی تھیں اور گھر کے سارے افراد اس کے بستر کے قریب موجود تھے۔ نومی نے نانی اماں کی آواز سنی جو کہہ رہی تھیں: "رات اسے سخت بُخار تھا اور اس بُخار میں ہی وہ گھر جانے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا میں نے اسے بہت روکا تھا لیکن کہنے لگا کہ کل میرا ٹسٹ ہے اور میرا گھر پہنچنا ضروری ہے۔ مُڑے ہوئے ہاتھ اسے بخار کی کیفیت کی وجہ سے نظر آئے ہوں گے!!!"

آزمائش

جنیداختر

پیارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"آزمائش جتنی سخت ہوگی اتنا ہی بڑا انعام ملے گا (بشرطیکہ آدمی مصیبت سے گھبرا کر بھاگ کھڑا نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ سے محبّت کرتا ہے تو ان کو (نکھارنے اور سنوارنے کے لئے) مزید آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔"
(ترمذی شریف)

☆ --- ☆ --- ☆

حضور صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :
"اللہ سے ڈرو..... اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہؓ کے معاملے میں میرے بعد ان کو (طعن و تشنیع) نشانہ نہ بناؤ۔ کیوں کہ جس شخص نے ان سے محبّت نہ کی اور میری محبت کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی تو اس نے مجھے ایذا پہنچائی، اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذا پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو عذاب میں پکڑے گا۔

☆ --- ☆ --- ☆

کیا چیز لو گے؟

شاعر : صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

کیا چیز لو گے،
چمچہ کہ تھالی؟
تھالی بھری ہے، چمچہ ہے خالی!
میں لوں گا تھالی

کیا چیز لو گے،
روٹی کہ کیلا؟
روٹی ہے سب کی، میں ہوں اکیلا!
میں لوں گا کیلا!

کیا چیز لو گے،
کیلا کہ بستہ؟
بستہ ہے میرا پھولوں کا دستہ
میں لوں گا بستہ!

تب تم کو مانوں مل جائے سب کچھ
کہتے تھے تب کچھ، دیتے ہو اب کچھ
میں لوں گا سب کچھ

انتخاب
فہد بن شجراہ
جیکب آباد

ایسے بھی قصے ہیں سفر کے یہاں

سمیرا اقبال، کراچی

ساتھیو! آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بسوں کے پیچھے جلی حروف میں لکھا ہوتا "خیرنال آ خیرنال جا" یا پھر "ماں کی دُعا جنّت کی ہوا" آج ہم ذرا آپ کو اس خیرنال آ خیرنال جا اور ماں کی دُعا جنّت کی ہوا کھانے کا احوال سناتے ہیں۔ اگر آپ سفر کرنا چاہتے ہیں تو بس حاضر ہے۔ پہلے تو آپ کو بس اسٹاپ پر جانا ہوگا (ظاہری بات ہے ایئر پورٹ تو جانے سے رہے) بس اسٹاپ ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ کو ہر قسم کے اور بھانت بھانت کے لوگ ملیں گے (جیسے سبزی منڈی میں ہر قسم کی سبزی ملتی ہے) آپ دیکھیں گے کچھ لوگ کسی پائپ کے سہارے کھڑے اس طرح بحث کر رہے ہوں گے کہ جیسے کشمیر یا مسئلہ بوسنیا ان کے سپرد کر دیا گیا ہو۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو آپ کے برابر میں کھڑے ہو کر بڑے ذوق و شوق سے سگریٹ پی کر دھوئیں کے مرغولے بنا رہے ہوں گے۔ چاہے آپ جتنا زور سے بھی کھانسیں ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا بلکہ اُلٹا ڈانٹ پڑ جائے گی کہ ارے بھائی آہستہ کھانسو بس اسٹاپ ہے کوئی تمہارا ڈرائنگ روم نہیں ہے۔" ایک قسم ایسے لوگوں کی بھی ہوگی جو مسلسل آپ کو گھوریں گے حتیٰ کہ آپ اپنے سر پہ ہاتھ پھیرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کہیں سر پر سینگ تو نہیں نکل آئے یا پھر آپ کا دل شدت سے آئینہ دیکھنے کو چاہے گا تاکہ آپ کو معلوم ہو سکے کہ آپ کسی خلائی مخلوق میں تو تبدیل نہیں ہو گئے یا پھر آپ کو

یہ محسوس ہونے لگے گا کہ شاید انہیں یہ سزا دی گئی ہے کہ وہ مسلسل آپ کو تکیں ، ادھر انہوں نے نظریں آپ پر سے ہٹائیں اور ادھر وہ شوٹ کردیئے جائیں گے۔ آپ کو بس اسٹاپ پر کم از کم آدھا گھنٹہ تو کھڑا رہنا پڑے گا۔ پھر اچانک ایک عجیب سا شور ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ دور سے ایک ٹوٹا پھوٹا ڈبہ بہت ہی نزاکت سے چلتا چلا آرہا ہے۔ پہلے تو آپ یہ سمجھیں گے شاید ہماری بداعمالیوں کے باعث اللہ تعالیٰ کا قہر ٹوٹ رہا ہے لیکن جب وہ ڈبہ قریب آئے گا تو آپ کو سمجھ آئے گا کہ یہ تو بس ہے آپ دیکھیں گے اب ہر طرف ایک شور بپا ہے جب آپ بس میں چڑھنے کی کوشش کریں گے تو دھکم پیل اتنی ہوگی آپ کو یہ گمان ہونے لگے گا کہ شاید بس اندر سے بہت خوبصورت ہوتی ہوگی خیر جیسے تیسے کر کے جب آپ بس میں چڑھنے میں بالآخر کامیاب ہو ہی جائیں گے اور اندر کے حصے پر نظر دوڑائیں گے تو آپ کو سر ہی سر نظر آئیں گے آپ اپنے بیٹھنے کے لئے جگہ کیا خاک بنائیں گے۔ یہ ایک الگ کہانی ہے تھوڑی دیر بعد گھڑی دیکھیں گے تو آپ کو احساس ہوگا کہ تقریباً" آدھا ایک گھنٹہ گزر چکا ہے لیکن کنڈیکٹر نے آپ کی مطلوبہ جگہ کا نام نہیں لیا۔ جب آپ بچتے بچاتے ،لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتے کنڈیکٹر کے پاس پہنچیں گے اور اس سے بس کا نمبر پوچھیں گے تو پہلے تو وہ آپ کو سر سے پیر تک گھورے گا پھر جب نمبر بتائے گا تو آپ پر ایک نئی حقیقت واضح ہوگی اور وہ یہ کہ یہ تو آپ کی مطلوبہ بس ہے ہی نہیں.........لو کرلو گل!!

پانچ کا ہندسہ

☆ پاکستان کے پرچم میں پانچ کونوں والا ستارہ بنا ہوا ہے۔

☆ شہد کی مکھی کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں۔

☆ جھینگر بھی پانچ آنکھیں رکھتا ہے۔

☆ مینڈک کے دل میں پانچ خانے ہوتے ہیں۔

☆ دنیا میں استعمال کیئے جانے والے نمک کا ۵ فیصد حصہ کھانوں میں استعمال ہوتا ہے۔

سنہری باتیں

○ عبادت کے بعد صرف اور صرف جنگل سے پھول توڑنے اور چشمے کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی پینے کے لئے جھکنا جائز ہے۔

○ بڑے دماغ میں ہمیشہ مقصد ہوتا ہے اور چھوٹے دماغ میں صرف خواہش۔

○ خاموشی اور سوچ بڑی سے بڑی مشکل کو حل کردیتی ہے۔

تعلیم نے بچالیا

ایک بادشاہ نے کسی تیلی سے دریافت کیا کہ ایک من تلوں سے کتنا تیل نکلتا ہے؟ تیلی نے جواب دیا۔ "دس سیر۔" بادشاہ نے پوچھا۔ "اور ڈھائی سیر تلوں سے؟" تیلی نے کہا ڈھائی پاؤ۔" آخر میں بادشاہ نے پوچھا۔ "اور ایک تل میں سے کتنا تیل نکلے گا؟" تیلی نے بتایا۔ "اتنا جس سے ناخن کا سِرا تر ہو سکے۔"

تیلی کی اس ہوشیاری سے بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ کیا علمِ دین سے بھی واقف ہو؟" تیلی نے کہا۔ "نہیں!" بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا۔ دنیا کے کاروبار میں اس قدر ہوشیار اور دین سے بالکل بے خبر۔ اس کو قید خانے میں ڈال دو۔"

تیلی کے بچے کو باپ کی گرفتاری کا پتہ چلا تو بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور بادشاہ سے کہا۔ "میرے باپ کا کوئی قصور نہیں بلکہ قصور میرے باپ کے باپ کا ہے جس نے اس کو تعلیم نہیں دلوائی لیکن میرا باپ تو مجھے دلوا رہا ہے۔ وہ بے قصور ہے۔" بادشاہ لڑکے کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اس کے باپ کو رہا کر دیا۔

مرسلہ : معیار علی معیار، پسنی مکران

پیاری ماں

ماں ایک ایسی ہستی ہے جس کی دُعاؤں سے انسان عروج تک پہنچ سکتا ہے۔ ماں کے بغیر کسی گھر کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ ماں ایک ایسی ہستی ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ماں کی خدمت دل و جان سے کرتے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا : "جنّت ماں کے قدموں تلے ہے" اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو والدین کی دُعا نہیں لیتا اور ان کی خدمت کر کے جنّت حاصل نہیں کرتا۔"

دنیا کا نظام ماں کی دُعاؤں سے ہی چل رہا ہے۔ ماں کی دُعا سیدھی عرش تک پہنچتی ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ماں کی قدر پہچانیں اور معاشرے کو سجانے اور سنوارنے کے ساتھ جنّت کے حصول کی راہیں ہموار کریں۔ کیونکہ اصل زندگی تو موت کے بعد کی ہے جو ہمیشہ رہنے والی دائمی اور ابدی ہے۔

فوزیہ یوسف، حافظ آباد

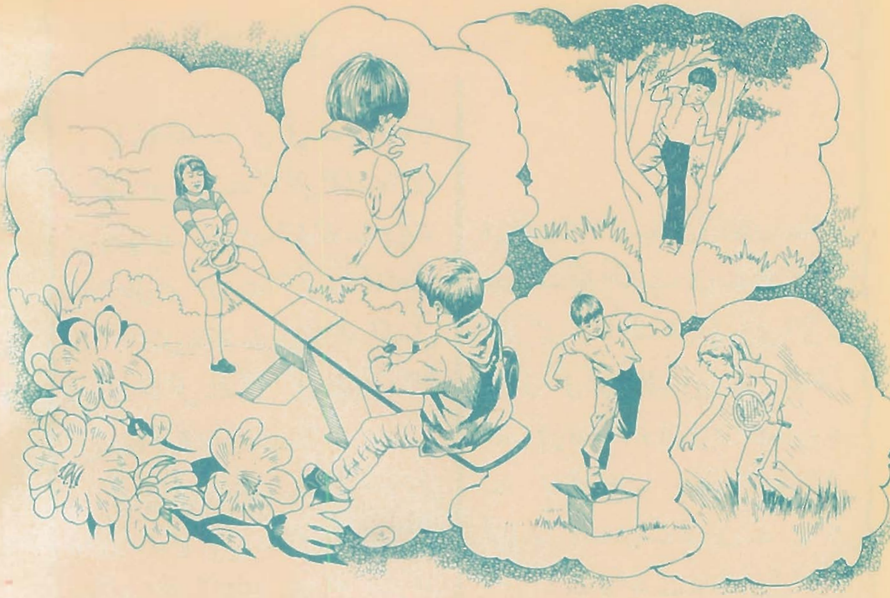

آؤ آؤ سیر کو جائیں

شاعر : صوفی غلام مصطفیٰ تبسم　　انتخاب : محمد اظہر خان، کراچی

آؤ آؤ سیر کو جائیں　　باغ میں جاکر شور مچائیں
اچھلیں کودیں ناچیں گائیں
آؤ آؤ سیر کو جائیں
کالے کالے بادل آئے　　جھوم جھوم کر سر پر چھائے
مینہ برسے گا خوب نہائیں
آؤ آؤ سیر کو جائیں

باغ میں تازے پھول کھلے ہیں رنگ برنگے پھول کھلے ہیں
ہم بھی اپنا رنگ جمائیں
آؤ آؤ سیر کو جائیں
کشتیاں لے کر کچھ کاغذ کی کوئی بڑی اور کوئی چھوٹی
پانی میں رکھ دیں، بہائیں
آؤ آؤ سیر کو جائیں
پتی لے کر اک پیپل کی بنسی ایک بنائیں ہلکی
ناچیں گائیں ناچیں گائیں
آؤ آؤ سیر کو جائیں

سالگرہ کے ساتھی

پاؤں پاؤں چلیں (ماریہ اور سارہ)

میں اریبہ

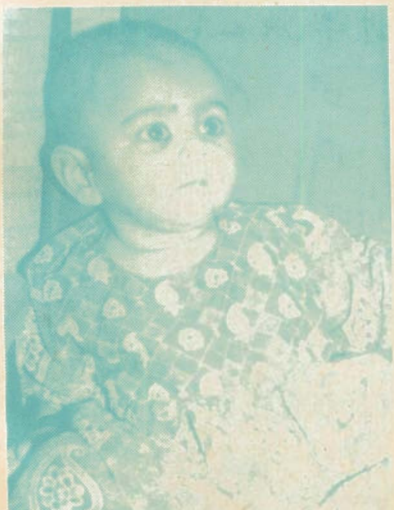

میں سمعیہ

مجھے یہ شعر پسند ہے

قارئین کے منتخب اشعار

شائد خلوص کو منزل نہ مل سکے
وابستہ ہے مفاد ہر اک دوستی کے ساتھ

مرسلہ...... حفیظ احمد، کراچی

اس دور کے پھولوں میں کہاں بہار کی شبنم
یہ دور محبت کا لہو چاٹ چکا ہے

مرسلہ...... اسما بدر، کراچی

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

مرسلہ...... نیرا خان، کراچی

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

مرسلہ...... نیرا خان، کراچی

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیروں سناں اول، طاؤس و رباب آخر

مرسلہ...... محمد یاسین، راولپنڈی

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں

مرسلہ...... ناصر حفیظ، ملتان

کبھی پتھر سے بھی لکیریں مٹا کرتی ہیں
کتنے سادہ ہیں میرا نام مٹانے والے

مرسلہ...... طاہر ناز انصاری، جہلم

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مرسلہ...... سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں!

مرسلہ : محمود، کراچی

ہر دھڑکتے پتھر کو لوگ دل سمجھتے ہیں
عمریں بیت جاتی ہیں دل کو دل بنانے میں

مرسلہ...... محمد اظہر خان، کراچی

اپنی مٹی ہی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو
سنگ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

مرسلہ...... صوفیہ سلطان، کراچی

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

مرسلہ...... سیدہ حنا نورین کاظمی۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

مرسلہ...... فرید ساجد مغل، بھکر۔

آخری بات

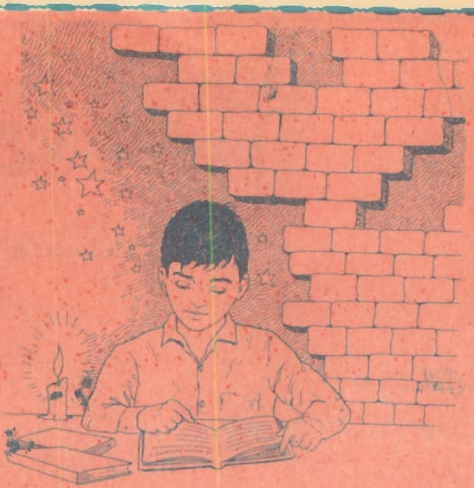

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کو دو آدمی آپس میں بات چیت نہ کریں، کیونکہ اس سے اس کا دل دُکھے گا۔"

کسی کا دل دُکھانا بہت بری بات ہے۔ اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا :

"جب تم کسی جگہ بیٹھے ہو اور تمہیں کوئی بات کرنی ہو تو تم کسی کو الگ کرکے آپس میں بات چیت نہ کرو۔"

بات چیت کرتے ہوئے ہمیشہ سچ بولنا چاہئے۔ کسی سے جھوٹی بات کہنا بُری عادت ہے کسی سے بات کرتے ہوئے کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے زبان گندی ہو۔ کسی کی بُرائی نہ کریں۔ چُغلی نہ کھائیں۔ کسی کی نقل نہ اُتاریں۔ جھوٹا وعدہ نہ کریں۔ کسی کا مذاق نہ اُڑائیں کسی کو برے نام سے نہ پُکاریں بات بات پر قسم نہ کھائیں۔ کسی کو گالی نہ دیں۔ کیونکہ اللہ کے رسولؐ نے گالی دینے سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ مُسلمان ہمیشہ دوسرے سے اچھی بات کہے۔

جو بچّے دوسروں کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کرتے ہیں، انہیں سب پسند کرتے ہیں۔

New
Prince
JUNIOR
Prince
JUNIOR
Chocolate
SANDWICH BISCUITS
LU
Prince
JUNIOR
Tutti Fruitti
SANDWICH BISCUITS
LU
انٹرنیشنل پیک
اب ساتھ رہے گا
PRINCE JUNIOR
ٹوٹی فروٹی اور چاکلیٹ
کریم بسکٹ
The French Biscuit Classics.
LU

REGD. No. SS-246 MAY 1996
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI